ماہنامہ قندیل ادب انٹرنیشنل لندن

شمارہ:59   ماہ نومبر 2017ء

www.qindeel-e-adub.com
(M) 0044-7886-304637, 02089449385
E-mail: ranarazzaq52@gmail.com.

بانی رُکن - خان بشیر احمد رفیق مرحوم

چیف ایڈیٹر - رانا عبدالرزاق خان

محترم اکبر حیدرآبادی صاحب

محترم سید ریاست عباس رضوی صاحب

کتنی مشکل زندگی ہے، کس قدر آساں ہے موت
گُلشنِ ہستی میں مانندِ نسیمِ ارزاں ہے موت

مجلس ادارت

زکریا ورک، امجد مرزا امجد، ایم اے حق بھارت،
خواجہ عبدالمومن ناروے، آصف علی پرویز

بانی رُکن : خان بشیر احمد رفیق مرحوم
مدیر : رانا عبدالرزاق خان
معاون مدیر : سید حسن خان
مدیر خصوصی : سہیل لون
مینجنگ ڈائریکٹر : عاصی صحرائی
فوٹو گرافی : قاضی عبدالرشید، فضل عمر ڈوگر
آڈیو ویڈیو : محمد اشرف خاکی

اراکین مشاورتی بورڈ

آدم چغتائی، منور احمد کنڈے، رضیہ اسمٰعیل برمنگھم،
رند ملک کنیڈا، اسلم ناصر آسٹریلیا، اے حق یو کے ٹائمز،
ثقلین مبارک آسٹریلیا، رانا مبارک احمد بحرین،
بشیر احمد خان سویڈن، راجہ منیر احمد،
ڈاکٹر منصور خوشتر بھارت، منور احمد خورشید۔

التماس

ہم سب دوستوں سے التماس کرتے ہیں کہ اپنے ادبی فن پارے، غزل، نظم، افسانہ، مشاعرے کی روئیداد وغیرہ جو بھی اِن پیج میں ارسال کیا جائے گا۔ بلاتفریق اسے معیار کے مطابق شائع کیا جائے گا۔ جو دوست بھیجتے ہیں اُن کی قدر کی جاتی ہے۔ قندیل ادب اکثر ممالک میں لاکھوں قارئین تک جاتا ہے۔ اور ویب سائٹ سے بھی پڑھا جاتا ہے۔ اگر آپ کے پاس ادبی فن پارے کوئی نہیں تو اپنے ریمارکس ہی ارسال کردیا کریں تاکہ ہم اپنا محاسبہ کرتے رہا کریں۔ شکریہ

رانا عبدالرزاق خاں

فہرست مضامین

اُردو کی حالت دیارِ غیر میں		3
فکرِ مودودیؔ اور ریاستی بیانیہ	طارق احمد مرزا آسٹریلیا	4
پاکستان کی داما دانگیز اور سسرناک صورتحال	طاہر احمد بھٹی جرمنی	7
لندن میں محترم پروفیسر مبارک احمد عابد صاحب	کے ساتھ ایک شام	9
کیپٹن صفدر دامادِ اعلیٰ چور مچائے شور	لقمان احمد سلطان	10
معروف شاعر اکبر حیدر آبادی بھی رخصت ہو گئے	امجد مرزا امجد	11
آہ سید ریاست عباس رضوی	امجد مرزا امجد	12
آبادی کی فحاشی	اے آر خان لندن	14
غزل۔ محمد یار کلیم		15
غزلیات: محسن نقوی۔ شکیل بدایونی۔ عبدالکریم قدسیؔ۔ اطہر حفیظ فراز۔ آدم چغتائی۔ ایم اے راجا اسلام آباد۔ ساحل سلیم۔ راجہ مہدی علی خان۔ ممبئی۔ مبارک احمد عابد امریکہ۔ پروفیسر مہندر پرتاپ چاندؔ۔ جمشید مسرور ناروے۔ منور احمد کنڈے۔ امجد مرزا امجد۔ حماد۔ جمیل الرحمن۔ عبد الصمد قریشی۔ خواجہ عبدالمومن ناروے۔ بشارت احمد بشارت جرمنی۔ چودھری مسعود احمد جرمنی۔ احسن احمد گرویزی۔ شریف نیازی۔ بشیر طارق۔ منیر باجوہ۔		16-20
بدلتا ہوا زمانہ	جمیل خان	21
ہم صبر کرتے ہیں	ارشاد عرشی ملک	22
معافی اور توبہ	جاوید چوھدری	23
جی اے چشتی۔۔۔موسیقاروں کے موسیقار	عبدالحفیظ ظفر	24
اقتدار؟ خاندانی وارث؟	نذیر ناجی	26
نئے سعودی قوانین		27
ہم میں اور مغرب میں کیا فرق ہے؟؟	رجل خوشاب	28
مسلمان سب کافر ہیں	ثقلین مبارک آسٹریلیا	29
اژدھے	عاصی صحرائی	30
خاموشی اچھی غذا ہے	ڈاکٹر عائض القرنی	30
آنسو	راجہ خادم حسین عاصم	31
شہرِ باوفا	عبدالصمد قریشی	32
ربوہ ایک مثالی اور پرامن شہر	ابن لطیف	33
دیہاتی زندگی	بشارت احمد بشارت	36
میرا گاؤں۔ میرا اسکول		37
کیپٹن صفدر اور فکر مودودی	اے آر راجپوت	38
فکر کی بات	رجل خوشاب	39
اتفاق کی بات ہے	ابن کاٹھگڑھ	40
ختم نبوت اور پاکستان..	طاہر احمد بھٹی جرمنی	42
نواز شریف نے وہ کر دکھایا جو جوئی نہ کرسکتا	شاہد خان	44
قندیل حق	ٹائٹل	47
دانشکدہ	ٹائٹل	48

***

اُردو کی حالت دیارِ غیر میں

رانا عبدالرزاق خان

خاکسار مورخہ 14 ستمبر 2014ء کو SOAS کے سیمینار میں گیا۔ جس کے ناظم محترم عبدالغفار عزم مرحوم تھے۔ وہاں اُردو کی ترقی کے بارہ میں کافی تقاریر ہوئیں۔ مگر ایک منتشر قوم کا منظر پیش تھا۔ اس بارہ میں بندہ کچھ کہنا چاہتا ہے۔ بے شک بعض افراد نے انفرادی کوششیں کی ہیں میں اُن کا معترف بھی ہوں۔ بعض اجتماعی کوششیں بھی ہوئیں مگر اُن کو ذاتی مفادات کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اور وہ منزل سے پہلے ہی راستہ کھو بیٹھیں۔ برطانیہ یا یورپی ممالک میں اُردو بولنے، دیکھنے اور سننے والے لوگ تو مقیم ہیں۔ مگر اُردو پڑھنے اور لکھنے والوں کی تعداد دن بدن کم ہو رہی ہے۔ اُن کے بچوں کو یہ زبان نہیں آتی، سوائے اُن حضرات کے جو ابھی نئے نئے آئے ہیں۔ ہم اپنی اولادوں کو اُردو پڑھانے اور لکھانے میں بری طرح ناکام ہوئے ہیں۔ اسی طرح دین کے معاملے میں بھی اپنی اولادوں کو کچھ سکھانے میں کلی طور پر ناکام ہوئے ہیں۔ اس لئے کہ ہم نے ان کاموں کو ترجیح نہیں دی۔ ہم سب ایک غلام قوم سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہمارا خیال ہوتا ہے کہ ہماری نسل ڈاکٹر، وکیل، انجینئر تو بنے مگر کوئی عالم دین نہ بن پائے۔ چونکہ اُردو کی یہاں کوئی اہمیت نہیں۔ اور نہ وہ کسی کورس کے لئے درکار ہے۔ اس لئے ہم بھی اس کو ترجیح نہیں دیتے۔ اب یہ زبان بڑے عمر کے لوگ پڑھتے یا لکھتے ہیں۔ ہماری نوجوان نسل اس سے کلی طور پر نابلد ہے۔

یہ سارا ہمارا اپنا ہی کیا دھرا ہے۔ اب ہم مگر مچھ کے آنسو بہاتے ہیں۔ سکھ مت (پنجابی) کے مقابلے میں ہم اُردو زبان کو عام کرنے میں بالکل ناکام رہے ہیں۔ ہماری تعداد بھی سب سے زیادہ ہے۔ ہم آج تک اس زبان کو قومی دھارے میں نہیں لا سکے۔ کیونکہ ہم سب نے اپنے اپنے گھروں میں اس کو مسترد کر دیا ہے۔ کتنے خاندان ہیں جو بچوں کو اُردو قاعدہ لے کر بچپن میں پڑھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مائیں تو خود احساس کمتری کا شکار ہیں اور اُردو کو پسند نہیں کرتیں۔ والد سارا دن باہر کام پر ہوتا ہے۔ بچے کے پہلے دس سال ہی تو ہوتے ہیں جس میں اُسے کچھ پڑھایا جا سکتا ہے۔ اُسی دور میں اُس کا وقت انگریزی علوم کی تدریس میں ترجیحی طور پر ضائع کر دیا جاتا ہے۔ اور والدین اپنی مصروفیات کو ترجیح دیتے ہیں۔ حالانکہ بچہ اُردو بول بھی رہا ہوتا ہے اور سُن بھی رہا ہوتا ہے مگر لکھنے پڑھنے سے محروم رہ جاتا ہے۔ یہ سب ہماری یاوالدین کی سستی اور کمزوری ہے۔ حالانکہ یورپ اور برطانیہ کے لوگ کم از کم پانچ زبانیں سیکھتے اور بولتے ہیں مگر ہم نہیں، ان سب کو سپینش، فرنچ انگلش، جرمن، پولش ضرور آتی ہے۔ ہمارے بچوں کو یہ زبانیں کسی حد تک آتی تو ہیں مگر لکھنے پڑھنے سے قاصر ہیں۔ اس لئے کہ ہم نہ محب وطن ہیں اور نہ محبِ اُردو ہیں۔

ہماری سب کی ترجیحات متفرق اور مختلف ہیں۔ جس طرح کہ ہم مختلف فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں مختلف ذاتوں اور اقوام میں بٹے ہوئے ہیں۔ مختلف لسانی گروہوں میں منقسم ہیں۔ غلام اور منتشر قوم ہیں نہ ہی ہم ابھی تک پاکستان کو متحد اور مستحکم بنا سکے اور نہ ہی ہم نے اپنی ترجیحات کو بدلا۔ انفرادی طور پر ایک ایک بھیڑ بکری کی طرح اپنے پیٹ کو بھرنے کے چکر میں سرگرداں ہیں۔ اس طرح کوئی قوم بھی کوئی مقصد حاصل نہیں کر سکتی۔ اگر کوئی تنظیم بنتی ہے تو حسد و بغض کی بنا پر ہم ایک دوسرے کی ٹانگیں کھینچ کر اُسے تباہ کرنے کے درپے ہو جاتے ہیں۔ یا ذاتی مفادات کی خواہش میں اس اجتماعی مقصد کو پس پشت ڈال دیتے ہیں۔ برطانیہ میں بہت سی تنظیمیں بنی اُن کا یہی حال ہوا۔ کوئی مالی بے ضابطگی کا شکار ہوئی تو کوئی نفاق کا۔ شکست خوردہ عناصر کی طرح ہم سرگرداں ہیں اس طرح منزل تو نہیں ملا کرتی۔ سب شاعر لوگ مشاعرے منعقد کرواتے ہیں وہ ایک کوشش تو ضرور ہے مگر اس میں بھی ذاتی شہرت کو بڑھانے کی نیت ہوتی ہے۔ اُردو کو پروموٹ کرنا ہے تو کوئی ٹھوس بنیادوں کام ہونا ضروری ہے۔ کتنے ہیں جو کونسلرز، ایم پی ہیں لارڈز ہیں۔ مگر کبھی کسی نے اُردو کے لئے اعلیٰ احکام سے بات کی ہو۔ کبھی اسے ترجیح دی ہو۔ ووٹ دیتے وقت اپنی پارٹی میں بات کی ہو۔ اُردو کوئی چھوٹی زبان نہیں۔ یو این او نے بھی اسے تسلیم کیا ہے۔ چوتھی بڑی زبان ہے دنیا کی۔ دو سو ممالک سے زیادہ میں بولی جاتی ہے۔ ملک پاکستان میں ابھی تک اسے دفتری زبان تسلیم نہیں کیا گیا۔ نیشنل اسمبلی بھی ساری کاروائی انگریزی میں لکھی اور پڑھی جاتی

ہے۔ہمارے لیڈرز انگریزی بولنے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ہم لوگ اُردو کا رونا تو بہت روتے ہیں۔سب ادیب وشاعر برطانیہ میں اُردو کا رونا روتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔مگر اگر جائزہ لیا جائے۔ہر سال کتنے بچے اُردو کا امتحان دیتے ہیں۔ان سب ماتم کرنے والوں کو بھی اُردو نہیں آتی۔کیونکہ دولت نے ان کے گھروں کو برباد کرکے رکھ دیا ہے۔ میاں بیوی کی لڑائی ہی ختم نہیں ہوتی۔گھر میں امن نہ ہو تو اولاد کیسے امن سے پڑھ سکتی ہے۔اخلاق درست نہیں۔والدہ کہیں اور ہے اور والد کہیں اور۔نوکری بھی کرتے ہیں۔جب تک ہم اسلام کو اپنے اوپر مکمل طور پر وارد نہیں کریں گے۔ہم یوں ہی آدھا تیتر آدھا بٹیر رہیں گے۔ہمیں اُردو کو عربی کی طرح بچوں کو ضرور پڑھانا چاہیئے۔اپنے اپنے علاقے میں اُردو سکھانے،لکھانے،بولنے کے سکول کھولنے کی ضرورت ہے۔ہمیں انفرادی طور پر ساری دنیا میں اُردو کے محافظ کا کردار ادا کرنا چاہیئے۔بڑے افسوس کی بات ہے کہ درددل سے اس بارے میں نہ کوئی کوشش کرتا ہوا آتا ہے اور نہ توجہ ہے۔اُردو کی تاریخ پڑھیئے اور اُن مشاہیروں کو سلام کیجیئے جنھوں نے اُردو کو زندہ کیا۔اور یہ ایک تناور درخت بنا ہے۔ہم اس کی چھاؤں میں بیٹھے ہیں اور اُس کو پانی دینے سے قاصر ہیں۔اگر آج بھی ہم ذاتی طور پر اس زبان کے متعلق اپنی کوتاہیوں پر غور کریں تو ہم ہی اس کے قصوروار نکلیں گے۔اُردو سے غفلت کی بنا پر ہماری نسلیں ہمارے کلچر سے محروم ہیں۔انگریزی کلچر کا تو اُن کو پڑھایا جاتا ہے۔مگر میر وغالب،اقبال،فراز،فیض سے وہ ناواقف ہیں۔یہ یقیناً ہم سب کا قصور ہے۔

پانچواں سالنامہ قندیل ادب انٹرنیشنل کی اشاعت

ادارہ اگلے ماہ پرنٹڈ کاپی ’’قندیل ادب انٹرنیشنل لندن‘‘ شائع کرنے کی جسارت کررہا ہے۔جس میں بہت ہی پائیدار،معلوماتی،مضامین دیئے جائینگے۔افسانے،تعارف،غزلیں،لطائف،اورساری دنیا سے قارئین کے آمدہ خطوط بھی شائع کئے جائیں گے۔احباب سے گزارش ہے کہ اگر کچھ نہیں تو آپ اپنا تبصرہ ضرور ارسال کریں۔ اور اپنا چھوٹا سا تعارف ساتھ ایک تصویر بھی ارسال کریں۔تاکہ ہمیں پانچ سالہ کارکردگی دیکھ کر اپنی کوتاہیاں دور کرنے کا موقع ملے گا۔آئندہ خوب سے خوب تر ادب اور فنون لطیفہ پیش کرنے کی کوشش ہو سکے گی۔دوستوں سے انتہائی عاجزی سے گزارش ہے کہ ضرور تعاون کریں۔اگر کسی وجہ سے یہ رسالہ آپ تک نہیں پہنچ پاتا تو براہ مہربانی www.qindeel-e-adub.com ویب سائٹ پر کلک کیا کریں۔یہاں تمام شمارے آپ پڑھ سکیں گے۔نیز میری کتاب بھی اسی ویب سائٹ پر آپ کو ملے گی۔اس کے علاوہ دو مزید کتابیں نومبر میں چھپ رہی ہیں۔ایک کا نام ’’قندیل حق‘‘ ہے جو کہ اسلامی معلوماتی مضامین پر مشتمل ہے۔دوسری کتاب ’’دانشکدہ عظیم‘‘ کے نام سے آرہی ہے۔جس میں تعلیم الاسلام کالج کی تاریخ مرتب کرنے کی حقیر کوشش کی گئی ہے۔احباب سے گزارش ہے کہ تعاون بھی کریں۔اور دعاؤں میں بھی یاد رکھیں اللہ تعالیٰ آپ سب بھائیوں کا حامی وناصر ہو۔ والسلام خاکسار رانا عبدالرزاق خان لندن

نامے جو مرے نام آتے ہیں

عبدالحئی خان صاحب پاکستان سے رقم طراز ہیں۔

ایڈیٹر صاحب قندیل ادب انٹرنیشنل سلام وآداب۔ آپ کا رسالہ سورج کی سی باقاعدگی سے ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو مل جاتا ہے۔اگر نہ ملے تو ویب سائٹ پر آن اجمان ہوتا ہے۔میں اور میری فیملی بچے تو اس کے عاشق ٹھہرے۔کافی متنوع مضامین،معلوماتی پارے،غزلیں،شاعری،نئے اور پرانے شعراء کی سوانح۔مزاحیہ خاکے،طنزیہ تحریریں،احوالِ شعراء،ادبی لطائف،سنجیدہ مضامین،کچھ سیاسی مضامین بھی،غرضیکہ یہ میگزین ایک ڈائجسٹ ہے۔خدا تعالیٰ آپ کو اور آپ کے معاونین کو صحت مند رکھے اور زورِ قلم ہو اور زیادہ۔

فکرِ مودودی اور ریاستی بیانیہ

طارق احمد مرزا آسٹریلیا

حال ہی میں پاکستان کی قومی اسمبلی میں حکومتی پارٹی کے ایک ممبر کے جذباتی انداز میں ''فکرِ مودودی'' کو ''بغرض ثواب'' پیش کرنے پر ممبران اسمبلی نے جس طرح تالیاں اور ڈیسک بجا کر خراج عقیدت پیش کیا اس نے اس ایوان کے ذہنی، علمی، فکری، سماجی اور معاشرتی اقدار کو ایک بار پھر خود ہی برہنہ کر کے بتا دیا ہے کہ ان کے نزدیک موجودہ پاکستانی حکومت کا حقیقی ریاستی بیانیہ کیا اور کس قسم کا ہے۔ واضح رہے کہ موصوف ممبر اسمبلی ایک ایسی سیاسی جماعت کے ٹکٹ پر ممبر اسمبلی بننے میں کامیاب ہوئے تھے جو خود کو بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح اور ان کی سیاسی جماعت مسلم لیگ کا حقیقی سیاسی جانشین تصور کرتی ہے۔

سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب خود تسلیم کرتے تھے کہ وہ ایک ''نومسلم'' ہیں (مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ سوم صفحہ ۱۳، ۱۴۔ طبع اول)۔ عموماً نومسلم افراد اسلام کا پوری طرح مطالعہ کرنے کے بعد اس کی تمام بنیادی تعلیمات پر خلوص دل سے کچھ اس طرح عمل پیرا ہو جاتے ہیں جو پیدائشی مسلمانوں کیلئے بھی ایک نمونہ ہوتا ہے لیکن مولانا صاحب ایک ایسے ''نومسلم'' تھے جو اسلام کے ایک بنیادی اور سیدھے سیدھے فرمان لعنت اللہ علی الکاذبین سے بھی نہ صرف بظاہر ناواقف بلکہ اس کے خلاف کھلم کھلا عمل پیرا ہونے کو نہ صرف یہ کہ عار نہیں سمجھتے تھے بلکہ اس کے وجوب کی تعلیم بھی دیتے تھے۔ چنانچہ فرمایا کہ: ''عملی زندگی کی بعض ضرورتیں ایسی ہیں جن کی خاطر جھوٹ کی نہ صرف اجازت ہے بلکہ بعض حالات میں اس کے وجوب تک کا فتویٰ دیا گیا ہے۔ (ترجمان القرآن، مئی ۱۹۵۸ء)

ممبر قومی اسمبلی کی مذکورہ تقریر فکرِ مودودی کے اس اہم بنیادی جزو پر ہی مبنی اور اس کی عملی تفسیر تھی۔ ظاہر ہے جس ''فکر'' کو کوئی پیش کرتا ہے خود بھی اسی پر عمل پیرا ہوتا ہے ورنہ لما تقولون مالا تفعلون کی وعید کی زد میں آئے گا۔ ''فاضل'' ممبر قومی اسمبلی کی تقریر ان کے مبینہ موجودہ ذہنی دباؤ اور نفسیاتی خلفشار کے علاوہ ''تحفظ ختم نبوت'' اور حلف نامہ یا اقرار نامہ ختم نبوت کی ان بحثوں کا ایک شاخسانہ تھی جو حال ہی میں اسمبلی کے اندر اور باہر زور پکڑ چکی ہیں۔ ختم نبوت ایسے غیر متنازعہ لیکن حساس نوعیت کے معاملے کو پہلے بھی کئی افراد اور گروہ، جن میں خود مولانا مودودی صاحب بھی پیش پیش رہے، اپنی ذاتی، دنیاوی اور سیاسی اغراض کے لئے استعمال کر چکے ہیں۔ ان میں ایک گروہ ''احرار'' کا بھی تھا جن کے بارہ میں مولانا مودودی صاحب نے واشگاف الفاظ میں بتایا تھا کہ یہ ''تحفظِ ختمِ نبوت کی آڑ میں خدا اور رسول ﷺ کے نام سے محض اپنی اغراض کے لئے کھیلنے والا گروہ (ہے) جس نے مسلمانوں کے سروں کو شطرنج کے مہروں کی طرح استعمال کیا ہے''۔ (مولانا مودودی۔ تسنیم، ۲ رجولائی ۱۹۵۵ء)

آج پاکستان کی قومی اسمبلی کے ایوان میں ڈیسک بجانے والے ممبران پارلیمنٹ ڈپٹی سپیکر اسمبلی سمیت مولانا مودودی صاحب کے فرمان کی عملی تصویر بن کر شطرنج کے مہروں کی طرح استعمال ہوتے ساری دنیا نے دیکھ لئے۔ عیسائی اکثریت کے ایک ملک آسٹریلیا کی پارلیمنٹ کا تو یہ حال ہے کہ گزشتہ دنوں جب ایک متعصب قوم پرست سینیٹر نے روایتی برقعہ پہن کر سینیٹ میں برقعہ کے خلاف احتجاج کا ڈرامہ رچایا تو بھرے اجلاس میں آسٹریلین اٹارنی جنرل نے ایک امن پسند مذہبی اقلیت کی اس گندی اور گھٹیا درجے کی توہین کرنے اور ان کے جذبات کو ٹھیس پہنچانے اور ملک میں فرقہ وارانہ اور نسل پرستانہ شرانگیزی پھیلانے کی اس ناپاک جسارت پر اس سینیٹر کو وہ ڈانٹ پلائی جس کی اسے بالکل بھی توقع نہ تھی اور وہ کافی دیر سکتے کے عالم میں رہی۔ آسٹریلین مسلمان اقلیت کا دفاع کرتے ہوئے آسٹریلین اٹارنی جنرل کا چہرہ اور باڈی لینگوئج دیکھنے والی تھی حالانکہ وہ انتہائی ٹھنڈے اور غیر جذباتی قسم کی شخصیت کے مالک

ہیں۔نہ صرف حکومتی سینیٹرز نے ان کے اس ردعمل پر ڈیسک اور تالیاں بجائیں بلکہ اپوزیشن کی جماعتوں نے کھڑے ہوکر انہیں خراج تحسین پیش کیا۔اس کے برعکس پاکستان کے ممبران اسمبلی اور ڈپٹی سپیکر،وزیران،مشیران وغیرہ کا نمونہ کیا تھا،اس پر کوئی تبصرہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

ان پاکستانی ممبران اسمبلی کے اس رویہ پہ اس لئے بھی کوئی تبصرہ کرنے کی ضرورت نہیں کہ یہاں تو'فکرِ مودودی' پیش ہورہی تھی جو کسی بھی ملک کی مذہبی اکثریت کو کلی اختیار دیتی ہے کہ وہ اپنے ملک کی اقلیتوں کے ساتھ جیسا چاہیں سلوک کریں۔مذکورہ نسل پرست اسلام مخالف آسٹریلین سینیٹر بھی غالباً فکرِ مودودی پر ہی عمل کر کے برقعہ اور اسلام پر پابندی کا مطالبہ کررہی تھیں۔جی ہاں وہی فکرِ مودودی جس کے مطابق اگر ایک غیر مسلم اکثریتی مملکت مسلمان اقلیت کے ساتھ''ملیچھوں اور شودروں کا سا سلوک کرے اور ان پر منو کے قوانین کا اطلاق کیا جاوے اور شہریت کے حقوق سے محروم کر دیا جائے تو اس پر انہیں کوئی اعتراض نہ ہوگا''۔ (بیان مولانا مودودی۔رپورٹ تحقیقاتی عدالت ۱۹۵۳ء)

غالباً فکرِ مودودی کی اسی اہم شق پرعمل پیرا ہوکر رو ہنگیا،راخین مسلمان اقلیت کے حالات پر پاکستانی قوم نے کسی قابل ذکر،مؤثر ردعمل یا پرزور اعتراض کا اظہار یا احتجاج نہیں کیا۔

جہاں تک فکرمودودی میں پاکستان،مسلم لیگ اور قائداعظم مخالف عنصر کا تعلق ہے تو وہ اتنا غیر متنازع،محکم،بیّن اور مشہور عام ہے کہ یہاں اسے دہرانے کی ضرورت نہیں۔افسوس صرف اس بات کا ہے کہ آج ایوان پارلیمنٹ میں پاکستان مخالف فکرمودودی کی بازگشت ایک ایسے ممبر اسمبلی کے حلق سے نکل کر گونجی ہے جو خود کو پاکستان،جناحؒ اور جناحؒ کی مسلم لیگ کا وارث سمجھنے کا دعویدار ہے۔اول تو جس ایوان کے پلیٹ فارم سے یہ صدا بلند کی گئی،مولانا مودودی صاحب کے نزدیک اس کی''رکنیت بھی حرام اور اس کے لئے ووٹ دینا بھی حرام ہے''(رسائل ومسائل،صفحہ ۴۵۷۔طبع اول ستمبر ۱۹۵۱ء)اور اس'حرام ووٹنگ' کے حرام عمل سے کیا گیا ہر جمہوری انتخاب''زہریلے دودھ کا مکھن''ہے۔(مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ سوم صفحہ ۱۱۷۔طبع اول)۔

اس زہریلے دودھ کے مکھن کو بلونے والی سوسائٹی فکرِ مودودی کے تئیں ایک ایسا چڑیا گھر ہے جس میں''چیل،گدھ،بٹیر،تیتر اور ہزاروں قسم کے جانور جمع ہیں''۔(مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش،حصہ سوم طبع اول صفحہ ۲۵)۔اس''سوسائٹی'' کی رائے عامہ ایسی ہے''جسے جھوٹ کا کوئی طوفان اٹھا کر ہر وقت فریب دیا جاسکتا ہے''۔(ترجمان القرآن جلد ۳۹ عدد ۱،۲۔صفحہ ۷)

فکرِ مودودی مسلم لیگ کے بارہ میں خلاصتاً بتاتی ہے کہ یہ:''خدا سے بے خوف اور اخلاق کی بندشوں سے آزاد(جماعت ہے)،جس نے ہمارے اجتماعی ماحول کو بیت الخلاء سے بھی زیادہ گندا کردیا ہے''۔(جماعت اسلامی کی انتخابی جدوجہد صفحہ ۱۶)اور یہ کہ مسلم لیگی اکابر'بازی گروں کی جماعت''ہیں۔

(پاکستان کے تین اہم مسائل از مولانا مودودی)جبکہ بانئ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح فکرِ مودودی کے مطابق''اسلامی ذہنیت وطرزِفکر سے خالی اور گم کردہ راہ لیڈر،جس کی سیاست کو اسلامی سیاست کہنا اسلام کے لئے ازالہ حیثیت عرفی سے کم نہیں''۔(مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ سوم طبع ہفتم)۔مولانا مودودی صاحب کے نزدیک قائداعظم محمد علی جناح تقسیم ملک کے ڈرامے کا ناکام ترین اداکار تھا جس کی قیادت کی غلطیاں اس سے بہت زیادہ ہیں کہ چند سطروں میں انہیں شمار کیا جاسکے۔ (ترجمان القرآن جون ۱۹۴۸ء)

قارئین کرام پاکستان کو خاکم بدہن'جنت الحمقاء' اور مسلمانوں کی'کافرانہ حکومت'، مسلمانوں کی'مرکب حماقت' اور'پیغام مرگ' سمجھنے والی فکرِ مودودی کے نام پہ تالیاں اور ڈیسک بجانے والے حکومتی اراکین اسمبلی کے لئے لمحہ فکریہ ہے کہ وہ مندرجہ بالا حقائق سے واقف ہونے کے بعد بھی ریاست کے جدید بیانیہ کی بنیاد'فکرِ مودودی' پہ رکھنا پسند کرتے ہیں یا فکرِ جناحؒ پر؟۔ ***

قسط:1

پاکستان کی داماد انگیز اور سسرناک صورتحال

طاہر احمد بھٹی جرمنی

پاکستان کے حالات جو پہلے ہی سماجی، معاشی اور سیاسی اعتبار سے کچھ بہت تسلی بخش نہیں تھے ان میں حالیہ داماد انگیزی سے صورتحال مزید سسرناک ہوگئی ہے۔اس حوالے سے میڈیاء میں جو ہڑبونگ مچی ہوئی ہے اس کو سننا ایک عذاب بھی ہے اور ناگزیر بھی۔عبیداللہ علیم کے چار مصرعے ملاحظہ فرمائیں جو لگتا ہے اسی ہفتے لکھے گئے ہوں۔

جو دل کو ہے خبر کہیں ملتی نہیں خبر　　　ہر صبح اک عذاب ہے اخبار دیکھنا

میں نے سنا ہے قرب قیامت کا ہے نشاں　　　بے قامتی پہ جبہ و دستار دیکھنا

پہلے دو مصرعے ہمارے میڈیا کے اخلاق و اطوار کے آئینہ دار جب کہ اگلے دو مصرعے موجودہ دور کے علماء کرام کی وضع داریوں اور ٹھیکیداریوں کا ماتم ہیں۔صحافی معاشرے کی آنکھیں کہلاتے ہیں اور آج کے پاکستانی اہل قلم اور میڈیا کے جگادریوں کو آشوب چشم کا عارضہ لاحق ہے۔

ہفتے بھر کے پروگرامز، ٹاک شوز اور کالموں کا عمومی مزاج اور رویہ ان خطوط پہ استوار تھا کہ،آئین اور پارلیمنٹ نے احمدیوں کو جو کچھ بھی قرار دے دیا ہے اس پہ تو کوئی بحث اور گفتگو کی گنجائش اور ضرورت ہی نہیں۔ختم نبوت...تو ختم نبوت ہے۔کون مسلمان ایسا ہے جو اس ایشو پہ زبان کھول سکے۔ناموس رسالت پہ کمپرومائز نہیں ہوسکتا۔یہ تو ایک طے شدہ مسئلہ ہے۔قادیانی ایشو ایک حساس معاملہ ہے۔ہمیں قادیانی عقائد کا تو کچھ زیادہ علم نہیں مگر...ان کو آئین نے کافر قرار دے دیا ہے تو اس پہ بات نہیں ہو سکتی۔اور یہ یہودی سازش، ظفراللہ خاں اور ڈاکٹر سلام بین الاقوامی سازش...ہندوستان، اسرائیل...امریکی ایجنڈا...اسلام کے غدار...انگریزوں کے وفادار...ملک کے لئے خطرہ...**و علیٰ ھذ القیاس** لیکن یہ سب کچھ تو تب چلتا اگر ہم واقعی قرون وسطیٰ میں ہوتے۔اس وقت نہ تو انفارمیشن کا گلا گھونٹنا ممکن ہے اور نہ ہی قابل لحاظ مدت تک لوگوں کو بے خبر رکھا جا سکتا ہے۔آگ ہوگی تو دُھواں بھی اُٹھے گا اور دُھواں دور دور سے ہی دکھائی دے گا اور آگ سے بھی پہلے نظر آئے گا۔راقم نے گزشتہ برس ایک مضمون میں عرض کیا تھا کہ" نوے سالہ مسئلہ ''حل نہیں ہوا تھا بلکہ اس وقت کی کم نظر قیادت نے پیرتسمہ پا ملائیت کے عفریت کے سامنے اپنا سر ریت میں دبا لیا تھا۔مسئلہ تو حل کیا ہونا تھا اور پھیل گیا تھا۔اور میرا یہ سوال اسی طرح قائم ہے کہ وہ ختم نبوت جس کو آج ارکان اسلام میں پانچ کی بجائے واحد رکن اور ارکان ایمان کے چھ کی بجائے اول رکن کی جگہ رکھ دیا گیا ہے اس ختم نبوت کا ایک دفعہ بھی ذکر اسمبلی میں کیوں نہ کیا۔آج بھی خاتم النبیین کے معنی اور تشریحات سے گریز کیوں ہے۔صاف طور پہ بتاتے کیوں نہیں کہ ہم نے خاتم کا پنجابی ترجمہ کیا ہوا ہے۔

آخری نبی...زمانی لحاظ سے۔اور غیر مشروط آخری نبی...جس کے بعد کوئی بھی نہیں آئے گا اور کبھی بھی نہیں آئے گا۔اتنی سادہ بات ہے تو سرکاری طور پہ اعلان کریں کہ حضرت عیسیٰ نہیں آئیں گے اور امام مہدی کے آخری زمانے میں میں آنے کی خبر درست نہیں۔عرب محاورے میں خاتم الاولیاء خاتم الشعراء اور خاتم الحکماء کا مطلب کیا یہی ہوتا ہے کہ کوئی ولی، کوئی شاعر اور کوئی حکیم کبھی بھی نہیں ہوگا۔ان اینکرز نے ایک کرکٹر یا کسی سنگر یا ایکٹر کا انٹرویو کرنا ہو تو یہ مہینہ بھر تیاری کرتے ہیں۔ریسرچ ورک ہوتا ہے اور گوگل کر کے سارے حوالے ڈھونڈتے ہیں۔تو اس ایشو پہ کیوں سانپ سونگھ جاتا ہے۔قارئین خود بتائیں کہ آپ کو عیسیٰ کی آمد اور چودھویں صدی اور امام مہدی کے عقائد اپنے گھروں سے ہی ملے مرزا صاحب نے تو نہیں دئے۔آپ منظم طور پہ حضرت عیسیٰ کے آنے اور امام مہدی کے ظہور کا سرکاری طور پہ انکار کروائیں۔مگر یاد رکھیں کہ جیسے ہی ایسا اعلان کسی وزیر نے کیا کہ کسی عیسیٰ یا مہدی نے نہیں آنا۔تو یہ سارے علماء اس کا جنازہ نکال دیں گے۔اس کا مطلب ہے کہ مانتے ہیں کہ آئے گا...اور جب بھی آئے گا تو غیر مشروط ایمان ختم نبوت پہ کہاں جائے گا۔سوال یہ ہے کہ کوئی بھی نیا یا پرانا امام مہدی یا عیسیٰ کیوں آئے؟اس کی ضرورت ہی کیا ہے؟ دین مکمل ہو چکا۔نبوت ختم ہو چکی...اور حلف کے الفاظ ہیں کہ" میں کسی ریفارمر، مصلح یا مہدی کے آنے پہ ایمان نہیں رکھتا'' تو پھر سرکاری اعلامیہ جاری کرنے میں کیا قباحت ہے؟اور ذرا علماء سے پوچھیں تو سہی کہ کیوں نہ یہ سرکاری اعلان کر دیا جائے اور آئمہ سلف کی غلطی'' کا اعلان کر دیا جائے تا کہ صرف احمدی گمراہ رہیں...باقی تمام مکاتب فکر تو اس گمراہی سے سرکاری طور پر باہر نکل آئیں۔اور یہ پاکستان کی مسلم اُمہ اور آنے والی نسلوں پر ایک احسان عظیم ہوگا۔مگر یہ ہو نہ سکا۔اور اب یہ عالم ہے۔کہ تو نہیں...تو تیرا غم...تیری جستجو بھی نہیں۔گزر رہی ہے کچھ اس طرح زندگی جیسے۔...اسے کسی کے سہارے کی آرزو بھی نہیں...کبھی کبھی میرے دل میں خیال آتا ہے۔دیکھیں اب تو ساحر لدھیانوی کے الفاظ بھی آپ ہی کا مرثیہ بن گئے ہیں...حالانکہ اچھا خاصا گانا تھا۔مگر آپ کے ہاں وہ ماتم پڑا ہے کہ ہر بات وہی مفہوم دینے لگی۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔قارئین یہ کوئی دل خوشکن جملے بازیاں نہیں ہیں۔آپ کو سچ ڈھونڈنا ہوگا۔خود پڑھنا اور ڈسکس کرنا پڑے گا اور پھر اصل بات جان کر...بھلے نہ مانیں۔کوئی جبر نہیں لیکن اگر بے علمی کی چادر اوڑھے رکھیں گے تو پھر

پاکستان میں رضویوں قادریوں کی تو کوئی کمی نہیں اور وہ آپ کا انجانا ریوڑ جدھر چاہیں گے ہانک کے لے جائیں گے اور ایسا ناموس رسالت اور ختم نبوت کے نام پہ کریں گے۔ دوسری بات یہ کہ ایک بات اچھی طرح جان لیں کہ اس وقت پاکستان کی کوئی تحصیل، ضلع اور صوبہ نہیں جہاں احمدی پاکستان بننے سے بھی پہلے سے موجود، آباد اور قائم نہ ہوں۔ میڈیا پر ذکر ایسا سہما اور ڈرا ہوا ہوتا ہے کہ جیسے یہ کوئی خلائی مخلوق ہو جو بس کسی سانحے یا واقعے پر ہی زیر گفتگو آتی ہے۔

ایسا کچھ نہیں ہے بس آپ کے علماء، میڈیاء اور سیاستدانوں نے ان کے تعارف کے حوالے سے جھوٹ بولا ہے اور کثرت سے بولا ہے۔ بغیر رکے اور سوچے اگر میں لکھوں تو وڑائچ، چیمے، چھٹے، باجوے، وینس، ساہی، نون، ملک، اعوان، وٹو، بھٹی، ڈوگر، یوسفزئی، چانڈیو، ابڑو، بھٹو، بلوچ، سندھی، کراچی کے اردو سپیکنگ، پنجاب کے جانگلی، بھروانے، سید، نسوانے، مرزا، بیگ، برلاس، رانے، رائے، راجپوت، رانگڑ، سگانے، سروئے، بسراء، بٹ، کشمیری، بخاری، صدیقی، رضوی، پیر، مخدوم، کھوکھر، نواب، چدھڑ یا ہنجراء سرگانے یا سپراء گوجر یا گوندل۔۔۔ غرض کوئی برادری یا گوت ایسی نہیں ہے جس میں دو چار یا دس گھرانے احمدی نہ ہوں۔ یہ بات میں اپنے ذاتی علم اور ملاقات کی بنیاد پر کہہ رہا ہوں۔ اس لئے اس تاثر سے باہر نکل آئیں کہ احمدی اقلیت، قادیانی برادری، مرزائی۔۔ قرار دیا گیا گروہ۔۔۔ وغیرہ وغیرہ۔ اس تماش بینی کو اب بند ہونا چاہئے۔ احمدی کسی بھی پاکستانی کی طرح ایک محب وطن پاکستانی ہیں بلکہ اس وجہ سے ان کو زیادہ محب وطن کہنا جائز ہے کہ وہ پاکستان کی گزشتہ ستر سالہ تاریخ میں ایک دفعہ بھی اور کسی ایک جگہ بھی اینٹی سٹیٹ سرگرمی کا حصہ نہیں بنے اور پاکستان کی سرکاری تمام ایجنسیاں اور ادارے اس بات کو خوب جانتے ہیں کہ احمدی عوام اور خواص کی حب الوطنی پر انگلی نہیں اٹھائی جاسکتی۔ ان کے خلاف جلوس اور بلوے کر کے لاء اینڈ آرڈر کے مسائل پیدا کئے گئے اور شورشیں رفع کرنے کے ادنی ہتھکنڈوں کے طور پر ان پر خلاف واقع جھوٹے کیس بنا کر جیلوں میں بند کئے گئے مگر خود احمدیوں نے ریاست اور حکومت کے لئے کبھی مسئلہ پیدا نہیں کیا۔ اپنے حقوق کے تلف ہونے پر بھی چپ رہے اور جلوس ہڑتالیں لے کر حکام کے لئے باعث پریشانی کبھی نہیں بنے۔ اس لئے فلاں کے عزیز و اقارب احمدی، ڈھمکان کے مرزائیوں سے تعلقات۔۔۔ یہ ناقابل عمل اور واہیات طرز عمل اب ہر سطح پہ بند ہونا چاہئے۔ احمدیوں کا قیام پاکستان میں بھی حصہ ہے اور استحکام پاکستان میں بھی۔ اور احمدی پاکستان کا ایک مہذب، شریف اور سکہ بند طبقہ ہیں جو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر بدل و جان ایمان رکھتے ہیں۔ مومنانہ صبر اور حلم۔ بصیرت اور علم کے اوصاف کے من حیث القوم حامل ہیں۔ شریعت محمدیہ کے عامل اور دین اسلام کے فدائی بھی اور داعی بھی۔ نہ ختم نبوت کے منکر اور نہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے انکاری۔ ہاں اس زمانے کے مولوی اور جاہل اور نفرت کے پرچارک ملاں کے اعلانیہ منکر ہیں اور اس پہ انہیں کوئی ندامت نہیں۔ ملکی قانون کے پابند اور اپنی حق تلفیوں کی فریاد خدائے واحد و یگانہ سے کرنے والے متدین مزاج انسان ہیں۔

صابر اور ظلم اور جبر کی سہار اور وسعت حوصلہ رکھتے ہیں مگر بزدل، خوشامدی اور بے وقار نہیں ہیں۔ بانی جماعت احمدیہ نے دیوثیت اور بزدلی اور بے غیرتی کی اپنی تحریروں میں مذمت کی ہے اور احمدی عمومی طور پر ان خامیوں سے اوپر ایک باوقار اور بارُعب معاشرت رکھنے والا طبقہ ہیں جو ہمدردی بنی نوع میں ایک امتیازی شناخت رکھتے ہیں۔ اس لئے ان کا یتیموں کی طرح اپنے ٹاک شوز میں تذکرہ نہ کریں۔ ایک جماعت اور طبقے کے طور پر احمدی بالکل یتیم نہیں ہیں۔ وہ کائنات کے مالک و خالق خدا کو اپنا ازلی و ابدی سہارا اور مولا یقین کرتے ہیں۔ تو وہ لاوارث کیسے ہوئے۔ ان کے سر پر ہمہ وقت ایک ہمدرد اور دعائیں کرنے والا وجود اور ان کے انفرادی اور اجتماعی مفادات کا نگران، امام موجود ہے اور احمدی افراد اور امام جماعت باہم یکجان دو قالب کے مصداق ہیں۔ اور افراد جماعت باہمی ہمدردی اور تواضع میں اپنی مثال آپ ہیں۔

اس لئے ان کا تذکرہ اگر مہذب اور مناسب وقار کے ساتھ کرنے سے آپ کو مولوی کا خوف ہے تو یتیموں کی طرح انڈر ٹون میں بھی ان کی بات نہ کیا کریں۔ ایسی لولی لنگڑی اور بے وقار ہمدردی کی احمدیوں کو کوئی احتیاج نہیں۔ خود کو غیر مسلم تسلیم کر کے الاٹ کی گئی اقلیتی نشستوں کو صوبائی اسمبلی یا قومی اسمبلی میں کبھی جماعت احمدیہ نے درخور اعتناء نہیں سمجھا اور نہ ہی غیر مسلم لسٹوں میں ووٹ دیتے ہیں۔ اپنے مسلمان ہونے کے لئے وہ پارلیمنٹ اور علماء سے سرٹیفکیٹ کے طالب نہیں ہیں اور نہ وہ یہ اختیار کسی بھی زمینی اور دنیاوی فورم کے پاس سمجھتے ہیں۔ کسی کو مسلمان ہونے کی سند دینے کا جواز نہ مولوی کے پاس تھا نہ پارلیمنٹ کے پاس۔ دونوں نے ظلم کیا ہے اور اپنی حد سے تجاوز کیا ہے۔ خدا ایسا کرنے والوں سے خود نمٹتا ہے۔ اور پاکستانی سیاست اور ریاست کے حالات گواہ ہیں کہ وہ خوب نمٹ رہا ہے۔ یہ تمام تر حقائق سماجی اور معاشرتی سچائیاں اور تاریخی اور تمدنی منظر نامہ ہے۔ مذکورہ بالا امور مذہبی ایشوز نہیں ہیں اس لئے ان کو صحیح تناظر میں رکھ کر معاشرے کو سماجی سچائیوں سے روشناس کروانا میڈیا اور رپورٹنگ کی اخلاقیات ہیں اور ان کا لحاظ رکھنا آپ کی صحافتی ذمہ داری ہے۔ اور ہاں۔۔۔ یہ بھی یاد رہے کہ احمدی خود کو احمدی کہلوانا پسند کرتے ہیں۔ قادیانی یا مرزائی ان کے نام ملوانوں نے رکھے اور میڈیاء اور سیاستدانوں نے پرموٹ کئے ہوئے ہیں۔ ایک شریف اور مہذب معاشرے میں آوازے کسنے والے نام سے مخاطب کرنا بدتمیزی ہے۔ صحافتی اور سیاسی ضرورت کے تحت احمدیوں کا ذکر اگر کرنا پڑے تو اس بدتمیزی سے گریز کر کے اپنے مہذب اور ذمہ دار صحافی اور سیاستدان۔۔۔ بلکہ انسان ہونے کا ثبوت دیں۔ اور کم از کم اس قادیانی، مرزائی۔۔۔ کہ احمدی کی گومگو سے باہر نکل آئیں۔ احمدیوں کو احمدی کہنا ناموس رسالت یا ختم نبوت کے منافی نہیں ہے۔ صرف ایک مہذب اور معقول طرز تخاطب ہے۔

(جاری)

***

لندن میں محترم پروفیسر مبارک احمد عابد صاحب کے ساتھ ایک شام

رپورٹ
رانا عبدالرزاق خان

آج ہمارے بہت ہی پیارے محترم پروفیسر مبارک احمد عابد صاحب جو امریکہ سے لندن تشریف لائے ہیں اُن کے ساتھ ممبران تعلیم الاسلام اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن نے ایک ادبی شام منانے کا فیصلہ کیا۔ مبارک صدیقی صاحب صدر بشیر اختر صاحب نائب صدر و جنرل سیکرٹری رانا عبدالرزاق خان، وممبران مجلس عاملہ Ticosa uk سب حاضر تھے۔ محترم مولانا عطاء المجیب راشد صاحب امام مسجد فضل بھی تشریف لائے۔ پروفیسر مبارک احمد عابد صاحب کے آنے پر سب نے خوش آمدید کہا۔ پہلے رانا عبدالرزاق خان نے استقبالیہ پڑھا۔ جس میں پروفیسر مبارک احمد عابد کی ادبی اور علمی خدمات پر روشنی ڈالی گئی۔ آپ نے ۳۳ سال تک تعلیم الاسلام کالج ربوہ میں پڑھایا۔ آپ کے شاگرد آج دنیا کے اکثر ممالک میں رہ رہے ہیں۔ آپ کے تین شعری مجموعے منظر عام پر آ چکے ہیں۔ صدر صاحب مبارک صدیقی نے انہیں صدر مجلس کی نشست سنبھالنے کی درخواست کی۔ جس پر محترم پروفیسر مبارک احمد عابد نے فرمایا کہ میں بھی آپ سب سے کچھ سنوں گا۔ اور اس طرح باری چلتی رہے گی۔ جس پر پہلے اپنا کلام رانا صاحب نے پیش کیا۔ اُن کے بعد عبدالقدیر کوکب نے محفل کو گرمایا، واحداللہ جاوید کی باری آئی۔ محفل رونق افروز ہوگئی۔ پھر پروفیسر مبارک احمد عابد صاحب کی مشہورِ زمانہ نظم کے چند اشعار اسحاق عاجز نے خوش الحانی سے پیش کئے۔ (اے فضل عمر تیرے اوصافِ کریمانہ) کہ مجلس واہ واہ کے دونگڑے برسانے لگی۔ پھر صدر مجلس کی باری آئی تو آپ نے مبارک صدیقی صاحب کو سننے پر اصرار کیا تو انہوں نے بھی اپنا تازہ کلام سنایا۔ جس سے محفل کی رونق اور دوبالا ہوگئی۔ ساتھ مزاحیہ چٹکلے بھی چلتے رہے۔ اور سب صاحبان ذوق محظوظ ہوتے رہے۔ محترم پروفیسر مبارک احمد عابد نے ایک غزل سنائی جس کا مطلع کچھ اس طرح سے تھا۔

؎ اِک اُداسی لئے رُوح پیاسی لئے لُٹ گئی زندگی اور میں چُپ رہا

اس غزل نے تو بہت داد لی۔ اور محفل گل وگلزار ہوگئی۔ آپ نے بہت ہی پیارا اور دل موہ لینے والا کلام سنایا۔ سب لوگ بہت مزے سے سُن رہے تھے۔ مگر رات بھیگ رہی تھی۔ صدر صاحب نے سب آنے والوں کا اور خصوصاً محترم پروفیسر مبارک احمد عابد کا شکریہ ادا کیا۔ محترم امام صاحب نے دعا کرائی۔ چائے اور ریفرشمنٹ سے قبل فوٹو گرافی ہوئی۔ اور سب دوست خوشگوار لمحات کی یادوں کے ساتھ خوشی خوشی اپنے گھروں کو روسنہ ہوئے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسی پُر رونق مجالس منعقد کرنے کی توفیق دیتا رہے۔ آمین۔

***

کیپٹن صفدر داماد اعلیٰ چور مچائے شور...

تحریر: لقمان احمد سلطان

میری مجبوری ہے کہ چور مچائے شور کے محاورے کو مجبوراً بدلنا پڑا، عین ممکن ہے کہ اردو ادب کے دانشور میری اس بے باکی پر میری کلاس لیں کہ تم نے اردو ادب کی گستاخی کرتے ہوئے چنگا بھلا محاورہ بدل ڈالا لیکن مجھے انکی کلاس لینے سے پہلے کیپٹن صفدر کی کلاس لینی ہے، اور موصوف کی طبیعت صاف کرنی ہے، عین ممکن ہے کہ بعض لوگوں کو میرے بعض سخت الفاظ عجیب لگیں لیکن کیپٹن صفدر نے جس قسم کی نامناسب باتیں اسمبلی میں کی ہیں وہ تو حقیقت کے بالکل برعکس تھیں، لیکن میں جو تلخ باتیں کروں گا وہ ان لوگوں کے مناسبِ حال اور ان کی حقیقت کو ظاہر کریں گی، قرآن کریم کی آیت کریمہ ہے لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا۔ (النساء: 148) یعنی اللہ تعالی بُری باتوں کے اظہار کو پسند نہیں کرتا سوائے ایسی بات کے جہاں ظلم کیا گیا ہو یا جس پر ظلم کیا گیا ہو وہ اظہار کرسکتا ہے۔ظلم کی ڈیفینیشن یہ ہے۔کہ وَضعُ شَيءٍ علىٰ غَيرِ مَحلِّه فهو ظلم۔ یعنی جو چیز جہاں پر ہونی چاہیے وہاں نہیں ہے تو یہ ظلم ہے۔سب سے پہلا ظلم تو یہ ہے کہ کیپٹن صفدر کا قومی اسمبلی میں ایسی نامعقول باتیں کرنے کا تُک کیا بنتا ہے؟ دوسرا ظلم یہ کہ تم باتیں ہی غلط اور حقائق کے برخلاف کررہے ہو اور جو اصل باتیں حقائق پر مبنی ہیں اور احمدی لوگوں کی ملک وقوم کیلئے خدمات ہیں ان سب کو نظر انداز کررہے ہو۔...میں سیاست پر کچھ نہیں لکھتا، کیونکہ نہ ہی سیاست مجھے پسند ہے اور نہ ہی مجھے سیاست کرنی آتی ہے، اگر مجھے سیاست کرنی آتی تو میں بھی کسی بڑے عہدے پر ہوتا اور ترقی کی فصل کاٹ رہا ہوتا، میں عموماً سیاست کی باتوں سے دُور رہتا ہوں، لیکن آج مجھے مجبوراً ایک انتہائی تھرڈ کلاس سیاسی شخصیت کے بارے میں قلم کشائی کرنی ہے جو ملک میں گندی ترین سیاست کھیل رہے ہیں، موصوف اور اسکے سسرال والے ملکی تاریخ کی بدترین اور گندی ترین سیاست کرتے ہوئے ناکام ہوگئے ہیں اور اب ان کو اپنی کشتی ڈوبتی نظر آرہی ہے، اس لئے تنکے کا سہارا لینے کی ناکام کوشش کررہے ہیں، دوستوں نے اسکی پارلیمنٹ میں تقریر سنی ہی ہوگی، دوست اسکے انداز اور اسکی شکل سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ کیپٹن کی مَت ماری گئی ہے، لگتا ہے کہ بندہ بَونتر گیا ہے، ان لوگوں کی سیاست ایک گندے چھپڑ کی غلاظت کی مانند ہے، جس طرح گندے چھپڑوں کی غلاظت سے ہمیشہ خون چوسنے والی جونکیں جنم لیتی ہیں۔اسی طرح سیاست کے گندے چھپڑوں کی غلاظت سے کیپٹن صفدر جیسے پالیمینٹرین کی شکل میں خون چوسنے والی جونکیں جنم لے چکی ہیں۔

جو عوام کو جمہوریت کے سبز باغ دکھا کر انکوں نڈھال کرکے انکے جسموں کا خون بھی چوس رہے ہیں۔آج ریاست کے سیاستدان اور پارلیمینٹرین اپنی عقل وشعور سے محروم ہوچکے ہیں جس کی وجہ سے یہ لوگ ''دولے شاہ کے چوہے'' کا کردار ادا کررہے ہیں۔جیسے دولے شاہ کے چوہے عقل وشعور سے محروم ہوتے ہیں، ایسے ہی یہ لوگ بیانات دیتے ہوئے عقل سے عاری معلوم ہوتے ہیں، انکو نہ ہی تاریخ کا پتہ ہے اور نہ ہی حقائق سے آشنا ہیں، دُکھ اس بات کا ہوتا ہے کہ پوری قوم کی نمائندہ قومی اسمبلی میں کھڑے ہوکر ایسے غلط قسم کے بیانات دیتے ہیں اور اسمبلی کے دیگر ممبران بھی انکی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے ڈیسک بجاتے ہیں۔جن لوگوں نے ساری عمر مسجد کا دروازہ نہیں دیکھا، آج وہ اپنے چہروں کو سیاست کے گندے چھپڑوں کی غلاظت، کرپشن، بھتہ خوری اور بدعنوانیوں سے آلودہ ہونے کے بعد ختم نبوت پر جوشِ خطابت کرکے اپنے قومی جرائم کو چھپانیکے لیئے مگرمچھ کے آنسو بہا رہے ہیں۔چور لوگوں کو بیوقوف بنا رہے ہیں۔ہمیشہ کی طرح قادیانی کارڈ کھیل کر لوگوں کو ختمِ نبوت ختمِ نبوت کہہ کر خود کے کالے کرتوت چھپانے کا آسان راستہ ڈھونڈا ہے ان خبیث لوگوں نے۔اور عوام جو خود پورا کلمہ بھی نہیں جانتی ختم نبوت کے معنی تک نہیں جانتی وحشی جاہل اور انکے جہالت میں بڑھے ہوئے داڑھیوں والے کنکھجورے علماء جو خود کو اسلام کا علمبردار سمجھتے ہیں انکے پیچھے لگے ہوئے ہیں..یہ بڑے نصیب کے ہیں فیصلے...یہ بڑے نصیب کی بات ہے۔

کیپٹن صفدر کی حالت سے مجھے ایک مولوی کی بات یاد آگئی۔مولوی نے جمعہ کے خطبہ سے پہلے گدھے کے گوشت کو چھوٹے بکرے کا گوشت سمجھ کر اس میں پسی ہوئی اینٹیں ملی مرچیں، کپڑے رنگنے والے رنگ ملی ہلدی، کیمیکلز ملا ادرک اور کتوں کی انتڑیوں سے نکلا ہوا کوکنگ آئل ڈال کر اچھی طرح بھون کر ''مٹن کڑاھی'' بنانے کے بعد اسے لکڑی کا برادہ اور ہر قسم کی کیڑے زدہ گندم ومختلف بیج ملے آٹے سے پکی روٹیوں کے ساتھ کھایا۔پھر گٹر اور چھپڑوں کے غلیظ پانی ملے دودھ اور رنگین برادہ ملی چائے کی پتی سے چائے بنا کر اسے چوہوں کے قیمے سے بنے سموسوں کے ساتھ پی کر ''الحمدللہ'' کہہ کر ڈکار مارا اور پھر...ناجائز قبضہ شدہ پلاٹ پر تعمیر شدہ مسجد کے منبر پر چڑھ کے کنڈے کی بجلی سے چلنے والے اسپیکر پر مومنین سے خطاب کرتے ہوئے بولے...میرے بھائیو..''مغربی قومیں اخلاقی طور پر بالکل دیوالیہ ہوچکی ہیں'' ''یہود ونصاریٰ کی مصنوعات کا مکمل بائیکاٹ کرو۔'' وہی کیپٹن صفدر جو کل تک چور ٹبر کا داماد ہونے کے ناتے بدعنوان اور بدقماش تھا آج ملت اسلامیہ کا عظیم مجاہد اور ختمِ نبوت کا علمبردار بنا پھرتا ہے، یہ ہے مذہبی چورن کا کمال، جو کھائے دیوانہ ہوجائے۔

***

معروف شاعر اکبر حیدر آبادی بھی رخصت ہو گئے۔!

امجد مرزا امجد

لندن و برطانیہ کے معروف شاعر جنہوں نے کئی دہائیوں تک دنیائے ادب پر راج کیا اور ہمیشہ مشاعروں میں اپنے کلام سے داد و تحسین پائی۔ اللہ کی رضا سے 7 اکتوبر 2017 کو برسٹل میں اپنی بیٹی کے گھر انتقال فرما گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ آپ کی وقت وصال 92 سال عمر تھی اور کافی مدت سے بیمار تھے۔ قوت سماعت بھی کھو چکے تھے لہٰذا ان سے دو سال سے کوئی رابطہ نہ ہو پایا۔ چند سال پہلے وہ آکسفورڈ سے کیمرج اپنی اہلیہ کے ساتھ شفٹ ہو گئے تھے مگر جب بیماری زیادہ بڑھی تو ان کی بیٹی انہیں برسٹل لے گئی جہاں وہ ایک چھوٹے سے فلیٹ میں مقیم تھے۔ جب ان سے بات ہوئی تو وہ اداس لہجے میں کہنے لگے کہ میری ساری کتابیں گھر والوں نے کہیں تلف کر دیں اور اب میرے پاس نہ کچھ لکھنے کو نہ ہی پڑھنے کو ہے۔ بس باقی ماندہ زندگی کے دن خاموشی سے گزار نے ہیں۔!!'' ان کی قوت سماعت بھی ختم ہو گئی تھی اور فون پر زیادہ بات نہیں کر سکتے تھے۔۔ یہ دو سال پہلے کی بات ہے۔۔ اس کے بعد ان سے کوئی رابطہ نہ ہو پایا۔ ان کی شاعری میں نہ صرف دولت فکر تھی بلکہ وسعت اور ادراک بھی جو لہجے کی پختگی کی وجہ سے انفرادیت عطا کر گئی تھی۔ انہوں نے غزل کو امتیازی شان عطا کرنے میں کوئی کمی نہیں رکھی اور ہمیشہ اپنی شناخت قائم کرنے کے لئے کبھی کوئی شور شرابہ نہیں کیا۔ اور یہی وجہ ہے کہ آج ان کا نام عزت واحترام اور محبت سے لیا جاتا ہے اور ہمیشہ لیا جاتا رہے گا۔ انشاء اللہ۔ کہاں ملیں گے صاحبانِ علم اب...کہ اکبر ایسے لوگ خال خال ہیں۔ مگر اکبر بھائی کی پیری اور بیماری کی وجہ سے ان کی صاحبزادی انہیں اپنے ساتھ برسٹل لے گئی جس کی وجہ سے اب وہ مشاعروں میں بہت ہی کم شرکت کر پاتے تھے ورنہ لندن اور دوسرے شہروں میں اکبر بھائی ضرور شرکت کرتے اور ہمیشہ ہی انہیں انکے حسب مراتب صدارت کی کرسی پیش کی جاتی۔۔ مرحوم خالد یوسف اور اکبر حیدر آبادی کا ساتھ بہت پرانا تھا دونوں اعلیٰ مقام کے شاعر اور اساتذہ میں شریک ہوتے ہیں خالد یوسف کی کمی آج بھی ادبی حلقوں میں محسوس کی جاتی ہے مگر افسوس آج اکبر بھائی بھی ہم سے جدا ہو گئے جن کی کمی دنیائے ادب کو ہمیشہ رہے گی۔

دور اندیش بلا کا تھا وہ انسان اکبر
آج والوں کو سبق کل کا پڑھایا اس نے

اکبر حیدر آبادی کا پہلا مجموعہ ''خطِ رہگزر جو 1971 میں، دوسرا مجموعہ ''نمو کی آگ'' جو 1981 میں، تیسرا مجموعہ ''آوازوں کا شہر'' 1988 میں، چوتھا مجموعہ ''ذروں سے ستاروں تک'' 1993 میں اور پانچواں مجموعہ کلام ''قرض ماہ و سال 2000 میں منصۂ شہود پر آیا۔ اسکے علاوہ ان کا انگریزی میں نظموں کا مجموعہ ''ری فلیکشن'' شائع ہوا جو میرے علم میں کسی اردو دان کا پہلا انگلش میں مجموعہ ہے۔ اردو کے علاوہ انہیں انگریزی زبان پر بھی پورا عبور حاصل تھا۔ اللہ ان کو غریق رحمت کرے وہ نہایت سنجیدہ، خاموش اور مخلص انسان تھے۔ لندن و برطانیہ کے بے شمار شعرا نے ان سے فیض پایا۔ وہ کبھی کسی کو ناامید نہیں کرتے تھے۔ ماہنامہ ''ساحل'' میں طویل مدت تک وہ رسالے کے مضامین و شاعری پر تنقیدی اور اصلاحی مضامین لکھتے رہے۔ اردو انہی بزرگ ادباء و شعرا کے دم سے اس دیارِ غیر میں زندہ رہے۔۔ مگر افسوس کہ یہ لوگ آہستہ آہستہ اپنی آخری منزل کو رواں دواں ہیں۔ ابھی چند ہفتے قبل سید ریاست عباس رضوی بھی ہمیں داغ جدائی دے گئے اور اب استاد شاعر جناب اکبر حیدر آبادی صاحب۔ موت برحق ہے اور ہم سب نے اپنی اپنی باری پر اسے لبیک کہنا ہے۔ دعا کیجئے کہ مرحومین کو اللہ پاک جنت کے اونچے درجات عطا فرمائے اور لواحقین کو صبر و جمیل دے آمین۔

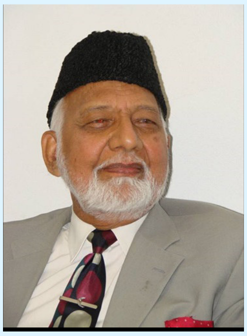

آہ سید ریاست عباس رضوی

امجد مرزا امجد

دلی دکھ ہوا جب سنا کہ ہمارے لندن کے ممتاز بزرگ شاعر سید ریاست عباس رضوی 21 ستمبر 2017 کی صبح نو بجے اس جہانِ فانی سے رخصت ہو گئے، اتفاق دیکھئے کہ وہ 21 ستمبر کو ہی برطانیہ تشریف لائے تھے اور اسی تاریخ کو یہاں سے رخصت بھی ہوئے۔ بقول ان کے بیٹے کہ نو بجے صبح وہ اوپر کمرے میں ان کو ناشتے کے لئے پوچھنے گیا تو وہ کرسی پر بیٹھے ہوئے تھے اور گردن جھکی ہوئی تھی۔ چار دن پہلے مجھ سے انہوں نے ایک گھنٹہ تک طویل بات چیت کی۔ وہ اکثر اس بات پر رنجیدہ ہوتے تھے کہ لندن جیسے بڑے شہر میں جہاں اکثر لوگ صاحب حیثیت ہیں مگر آج تک نہ کسی فرد نے نہ ہی کسی تنظیم نے یہ کوشش کی کہ ایک ایسا کمیونٹی سینٹر بنا لیا جائے یا ہال خرید لیا جائے جہاں ادبی سماجی محافل کا انتظام ہو۔ وہ اکثر اپنا مالی تعاون بھی پیش کرتے تھے کہ کوئی راستہ بتاؤ میں مکمل مالی تعاون کروں گا۔۔

سید ریاست عباس رضوی دہلوی برطانیہ میں 1957 میں آئے۔ دہلی سے ہجرت کی اور لاہور آ گئے وہیں گورنمنٹ کالج میں انٹرمیڈیٹ تک تعلیم حاصل کر کے حبیب بینک کراچی میں ملازمت کر لی۔ جب لندن آئے تو یہاں کچھ مدت نیشنل بینک آف پاکستان میں کام کیا اور اس کے بعد پاکستان ہائی کمیشن میں اکاؤنٹ کے شعبے میں ملازمت مل گئی۔ دراز قد گورا چٹا رنگ نہایت خوبصورت دلکش نوجوان تھے اور اپنے کام کو عبادت سمجھ کر کرتے تھے۔ 1958 سے 1974 تک اپنے فرائض کی ادائیگی کی اس دوران انہوں نے پاکستان سے آئے ہوئے ان گنت لوگوں کی امداد کی انہیں ملازمت اور رہائش دلوانے کے علاوہ دیگر ضروریات پورا کرنا اپنا اخلاقی، دینی اور قومی فرض سمجھتے۔ اس دوران انہوں نے کمپیوٹر پروگرامنگ کا کورس بھی کامیابی کے ساتھ پاس کیا تو نوکری چھوڑ کر ڈیپارمنٹ ٹریڈ انڈسٹریز میں ایڈمن افیسر کے عہدے پر فائز ہوئے۔ مگر 1993 میں دل کا دورہ پڑا، آپریشن ہوا اور تین سال تک بیمار رہے۔ آج کل ریٹائیرڈ زندگی گزار رہے تھے۔ طبیعتاً نہایت علیم، دھیمے لہجے میں مسکرا کر بات کرنا ہر کسی کو محبت کا درس دینا، کسی قسم کے جھگڑے، بحث اور سیاست سے دور رہنا، ہر کسی کو تعاون کی پیشکش کرنا خاص کر لندن کی ادبی تنظیموں کے ساتھ مالی اخلاقی تعاون کرنا ریاست بھائی نے اپنا فرض سمجھ لیا تھا۔ کئی ایک تنظیمیں ان کے مالی تعاون سے چلتی تھیں۔ مذہبی رجحان کے مالک تھے ادارہ جعفریہ بھی چلاتے تھے، ان کی بیگم جو اعلیٰ تعلیم یافتہ خاتون ہیں اپنے گھر میں ہر بدھ کو خواتین کی مذہبی محفل کا انعقاد کرتی ہیں جس میں درود شریف کا ورد ہوتا ہے تلاوت کی جاتی ہے اور اپنے مذہبی درس کا انتظام ہوتا ہے جس میں یہ دونوں میاں بیوی مل کر مہمانوں کی خاطر تواضع کرتے۔ انہوں نے 1974 میں باقاعدہ لکھنا شروع کیا۔ وہ کہتے تھے کہ جب عظمت باجوہ اور پروین لاشاری نے ریڈیو سروس شروع کی تو مجھے اس میں شرکت کا شوق پیدا ہوا اور میں نے انگریزی میں شاعری شروع کی جس میں انہیں "دی انٹرنیشنل لائبریری آف پوئٹری" کی طرف سے ایوارڈ بھی ملا۔ ان کے تین بچے ہیں ایک ڈاکٹر دوسرا آئی ٹی سپیشلسٹ اور بیٹی اعلیٰ عہدے پر فائز ہے۔ گھریلو ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ ریاست رضوی لندن کے مشاعروں میں باقاعدگی کے ساتھ ہمیشہ ٹوپی شیروانی و شلوار یا کالی پتلون میں خالص شاعرانہ انداز میں شریک ہوتے۔ وہ شاعری اپنے مخصوص ترنم سے کرتے خالص لکھنوی انداز تھا۔ محبت کی شاعری کرنے والے حق کی بات کہنے والے ریاست بھائی یہ پیغام دیتے نظر آتے ہیں۔

ایک شاعر بے باک ریاستؔ ہے جہاں میں
حق بات کے کہنے میں وہ مشہور رہا ہے

ان کا پہلا شعری مجموعہ ''ریاست محوِ قمر'' انہی دنوں منصۂ شہود پر آیا، جس کی رسمِ اجراء انہوں نے بڑے عالیشان طریقے سے کی اور بے شمار سخن وروں نے شرکت کی اور ان کے بارے میں مضامین پڑھے۔ میں ریاست بھائی کو پندرہ برس سے جانتا ہوں۔ مشاعروں میں بھی اپنے کلام سے وہ اپنے قد کی مانند بلند و بالا نظر آتے۔ ان کی شاعری ان کی اپنی شاعری ہے جو انہوں نے ایک طویل مدت سے زندگی کی کڑی آزمائشوں سے گزر کر بڑی محنت کے ساتھ مکمل کی۔ ریاست رضوی کی شاعری محبت کی شاعری ہے انہوں نے زندگی میں صرف اور صرف محبت کرنا ہی سیکھا ہے، شاید ہی ان کی کسی کے ساتھ دشمنی ہو۔ وہ کسی کو کھو کر بھی بھلا نہیں پاتے اور اپنی الفت کو سدا قائم رکھتے ہیں۔

مانا کہ ریاستؔ ہار گیا پا کر بھی تم کو کھو بیٹھا
اُلفت کو تمہاری ختم کروں صدمہ یہ سہوں ممکن ہی نہیں

ان کا تخلیقی عمل اعتراف خودشناسی کا عمل ہے جو ان کے اشعار کے نزول کا باعث بنتا ہے اور وہی ان کے اور قاری کے درمیان ایک ذہنی اور قلبی رشتہ استوار کر دیتا ہے۔ ان کا پیغامِ محبت سب کے لئے یکساں ہے۔

جل جاؤ شمع کی طرح پروانے کی خاطر
اپنے کو مٹا دو کسی دیوانے کی خاطر

وہ کہتے تھے جب پیار کرو تو اسے نبھانے کی خاطر کرو اگر ہار بھی جاؤ تو اس سے کنارہ کش نہ ہو جاؤ کسی بیگانے کی طرح بیگانے نہ ہو جاؤ۔ محبت کا یہ پیغام ان کی زندگی کا حاصل ہے کہ انہوں نے ہمیشہ پیار ہی سے دوسروں کے دل جیتے۔

ریاستؔ کو گوارہ نہیں رسوائی اُٹھانا
مر جاؤ اپنی چاہ کو چھپانے کی خاطر

ریاست بھائی نے غزل کا اپنا مخصوص لہجہ اور طریقہ اظہار اپنایا، انہوں نے قطعات و رباعی میں اپنا مخصوص طریقہ وضع کیا اور عمل پیرا رہے۔ لیکن ان کی غزل کا جادو سر چڑھ کر بولا، انہوں نے محبت و پیار کی چاشنی میں غزل کو لپیٹ کر پیش کیا ہے جو ان کا اپنا انداز تھا۔ ان کی اکثر شاعری محبت و پیار کی شاعری تھی۔ اپنے محبوب سے مخاطب ہو کر ان کا انوکھا انداز ملاحظہ ہو۔

خوشبو تیرے آنے سے پھیلے جو فضاؤں میں
چپکے سے تجھے چھو لے پھر بادِ سحر آئے

میں محترم بھائی ریاست رضوی کے لئے دلی کی گہرائیوں سے دعا گو ہوں کہ اللہ پاک انہیں جنت کے اونچے درجات عطا فرمائے اور ان کے تمام دوست احباب اور اہل خانہ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ ان کی کمی ہمیشہ ادبی محافل میں رہے گی اور انہیں ہمیشہ اچھے الفاظ سے یاد کیا جائے گا۔۔

وہ کیا گیا کہ درد فضا میں بکھر گیا
گلیاں ہمارے شہر کی سنسان ہو گئیں

عاصی صحرائی

کر لیا ہے فیصلہ کہنا اُسے
اب نہ ہوگا سامنا کہنا اُسے
اتفاقاً آگیا گر رُو برو
غور سے نہ دیکھنا کہنا اُسے
دل سے تیری یاد ہی معدوم ہے
گُم ہوا ہر راستہ کہنا اُسے
اُلفتوں کا ہو چکا ہے اختتام
عشق جھوٹا خواب تھا کہنا اُسے
یادِ رفتہ اب نہیں ہے سوچ میں
اب نہ ہوگا سامنا کہنا اُسے
دن خوشی کے اور عاصیؔ چاندنی
وقت ہے بھولا ہوا کہنا اُسے

***

آبادی کی فحاشی

اے آر خاں لندن

کسی پروفیسر سے پوچھ لیں، علاقے کے مولوی صاحب سے فتویٰ لے لیں، سیاست دانوں کی تقاریر سُن لیں، اکڑی ہوئی گردن والے بیوروکریٹس کی رائے لے لیں، کسی کالج کے لونڈے سے سوال کرلیں یا پھر راہ چلتی کسی خاتون کو روک کر دریافت کریں کہ پاکستان کا سب سے بڑا مسئلہ کیا ہے؟ شاید ہی اِن میں سے کسی کا جواب ہو''بڑھتی ہوئی آبادی!'' (عین ممکن ہے کہ راہ چلتی خاتون جسے آپ سرِ بازار روک کر یہ پوچھیں تو وہ آپ کی ذات بابرکت کو ہی اضافی قرار دے کر آبادی کم کرنے کی مہم کا آغاز کردے) شنید یہی ہے کہ کرپشن سے لے کر لوڈ شیڈنگ تک اور ''تعلیم'' کی کمی سے لے کر فحاشی تک آپ کو پاکستان کے تمام مسائل اور اُن کا حل پلیٹ میں رکھ کر پیش کر دیا جائے گا، آبادی کے اژدہے کا البتہ اس میں کہیں ذکر نہیں ہوگا۔ یہ مسئلہ پاکستان کے کسی ادارے، طبقے یا فیصلے کا اختیار رکھنے والے کسی گروہ کے ریڈار پر دکھائی نہیں دیتا، ہائی پروفائل میٹنگز میں آبادی کے محکمے کا سیکریٹری شاذو نادر ہی بلایا جاتا ہے، اعلیٰ سطحی اجلاسوں میں کبھی یہ نہیں سنا کہ وزیراعلیٰ نے آج آبادی پر قابو پانے کی میٹنگ بلائی ہے، اِس محکمے میں تعیناتی ''کھڈے لائن'' پوسٹنگ سمجھی جاتی ہے، افسران عموماً اپنے باس کو کہتے ہیں ''سر، میں کام کرکے بہت تھک گیا، کسی ایسی جگہ لگا دیں جہاں زیادہ کام نہ ہو، پاپولیشن ویلفیئر میں جگہ خالی ہے...!'' اور ذرا نام ملاحظہ ہو محکمے کا''پاپولیشن ویلفیئر'' یعنی آبادی کا مطلب خوشحالی۔ یہ تو حال ہے۔ اخبارات کی سرخیوں میں یہ مسئلہ تب سے نمایاں ہوا ہے جب سے مردم شماری کے نتائج آئے ہیں اور نہایت ہی مختصر عرصے میں اِس کا غلغلہ کم بھی ہو گیا ہے، دلچسپ بات یہ ہے کہ جب تک اِس کا شور رہا ٹاک شوز اور اخبارات میں بحث یہ ہوتی رہی کہ فلاں شہر یا گروہ کی آبادی کم کیوں ہوئی۔ سو، اس قسم کی ترجیحات سے ہم نے اکیسویں صدی میں قدم رکھ رہے ہیں مگر کوئی بات نہیں، انشاللہ امریکہ کو پچھاڑ کر دم لیں گے کیونکہ اکثر ہم ایسی خبروں پر بھی مسرت و اطمینان کا اظہار کرتے پائے گئے ہیں کہ فلاں مغربی ملک میں جس رفتار سے مسلمانوں کی شرح نمو میں اضافہ ہو رہا ہے تو اگلے دس برسوں میں وہاں اپنی اکثریت ہو جائے گی۔

گویا اُس کے بعد مسلمان وہاں اپنا صدر منتخب کرلیں گے اور یوں آبادی کے بل پر سپر پاور بن جائیں گے۔ یہ ہمارا ویژن ہے۔ ویلکم ٹو پاکستان۔ آبادی پر قابو پانے کے لئے دنیا نے جو طریقے اپنائے ہیں، اُن کی ترویج کا طریقہ کار ہمیں فحش لگتا ہے اور انہیں اپنانے میں بھی شرم آتی ہے، آبادی بڑھانے میں البتہ ہمیں کوئی شرم نہیں حالانکہ سب سے بڑی فحاشی وہ آبادی ہے جو ہم بے شرمی اور ڈھٹائی کے ساتھ بڑھائے چلے جا رہے ہیں۔ اول تو یہ موضوع کسی محفل میں زیر بحث ہی نہیں آتا کیونکہ ہمارے پاس اس سے کہیں زیادہ اہم موضوعات ہیں جیسے کہ اخبارات میں پڑھتے ہیں کہ کیا ''کھیرے'' کی قربانی جائز ہے؟ میں بیمہ کروا بیٹھا ہوں تو کیا اس کے پریمیم پر ذکوٰۃ لاگو ہوگی؟ کیا تین طلاقیں ایک ساتھ دینے سے طلاق ہو جاتی ہے، کہیں حلالہ تو نہیں کروانا پڑے گا؟ اِدھر اُمراء کا سرے سے یہ مسئلہ ہی نہیں، اُن کی اَن کہی دلیل یہ ہے کہ ہم تو استطاعت رکھتے ہیں، اصل آبادی تو غریب بڑھاتے ہیں جو آٹھ آٹھ بچے بھی پیدا کرتے ہیں اور پلے کھانے کو بھی کچھ نہیں ہوتا۔ تلخ حقیقت یہ ہے کہ اِس ضمن میں کوئی سوال کرتا ہے نہ جواب میں دلیل کی ضرورت پڑتی ہے، اُلٹا اپنے ہاں تو یہ پوچھا جاتا ہے کہ بچے صرف دو کیوں ہیں، اگر لڑکیاں ہیں تو لڑکے کی ''ٹرائی'' کیوں نہیں کرتے...! گویا ہاکی کی چمپئن ٹرافی ہو رہی ہے جس میں گول کی ٹرائی کرنی ہے! اور خیر سے اگر لڑکا ہو تو پھر جوڑا بنانے کے لئے مزید ٹرائی کی جاتی ہے اور یوں اِس چکر میں چھ لڑکیاں پیدا کر کے بالآخر جوڑا مکمل کیا جاتا ہے! کوئی انہیں بتائے کہ کائنات کے سب سے عظیم انسان کی بیٹی جنت کی سردار ہے! اس دوڑ میں امیر غریب، اَن پڑھ یا پڑھے لکھے سب برابر ہیں۔ کسی کو اس بات کی مطلق پرواہ نہیں کہ بچے پیدا کرنے کے بعد اُن کی صحت اور پرورش کی ذمہ داری صرف ذاتی روپے پیسے کی مرہون منت نہیں ہوتی بلکہ ہر لحظہ بڑھتی ہوئی آبادی کے لئے ریاست کو بھی اُتنے ہی اضافی وسائل درکار ہوتے ہیں جو ہمارے پاس ہیں اور نہ ہی ہمارے نکھٹو پن کی وجہ سے اُن میں کوئی جادُوئی اضافہ ممکن ہے۔ بائیس کروڑ کی آبادی کا یہ ملک بن چکا ہے، ہسپتال، اسکول، سڑکیں، شہر، سب کا دم گھٹ چکا ہے مگر مجال ہے کہ کسی کان پر جوں بھی رینگ

جائے۔ ہر کسی کے پاس یہی جہالت آمیز فقرہ ہے کہ میرے چار بچوں سے کروڑوں کے ملک میں کوئی فرق نہیں پڑتا، جہاں بائیس کروڑ وہاں بائیس کروڑ چار سہی۔ سردیاں آنے کو ہیں، محرم کے بعد شادیوں کا سیزن جوبن پر ہوگا، پہلے شادی ہوگی اگلے برس منا، پھر چل سو چل۔ کچھ کو اتنی جلدی ہوتی ہے کہ تین مہینے بعد ہی گائنا کولوجسٹ کے پاس دوڑے چلے جاتے ہیں کہ اب تک کچھ ہوا نہیں۔ بے شک پروردگار ہی سب کو رزق دیتا ہے۔ ہمارا ایمان بھی یہی ہے۔ مگر کیا اسی خدا نے یہ نہیں فرمایا کہ تمہیں وہی ملتا ہے جس کی تم سعی کرتے ہو۔ (مفہوم)

ہر مزدور کو اپنے بچوں کی روٹی کے لئے محنت کرنی پڑتی ہے، دو بچوں کی روٹی کمانا آٹھ بچوں کی بھوک مٹانے سے بہر حال آسان کام ہے۔ اور پھر یہ مذہبی دلیل کیا صرف پاکستان میں ہی لاگو ہوتی ہے، دیگر اسلامی ممالک میں بسنے والے مسلمان جو آبادی کنٹرول کرنے کے طریقے اپنا رہے ہیں اور اُن کی ترویج کر رہے ہیں، کیا وہ مسلمان نہیں؟ بنگلہ دیش ہمارا ہی حصہ تھا، مسلمان وہاں بستے ہیں، اُن کی آبادی کی شرح اور اپنی آبادی کی شرح کا تقابل کر لیں، فرق صاف ظاہر ہو جائے گا، وہاں اس کام کے لئے مساجد میں مولوی حضرات سے مدد لی گئی اور تجربہ بے حد کامیاب رہا۔ اپنے ہاں علما نے ٹی وی پر پولیو کے قطروں کے حق میں تو مہم میں مدد دینی شروع کر دی ہے، دیکھئے اب آبادی کے حق میں ایسی مہم کب چلتی ہے۔ کوئی ہے؟ ایک ایسا ملک جہاں بیس سال بعد بندوں کا شمار کیا گیا ہو، اپنے شہریوں کی فلاح کے لیے بھلا کیا منصوبہ بندی کر سکتا ہے؟ اچھی طرز حکمرانی کے لئے بنیادی کام درُست اعداد و شمار اور ڈیٹا اکٹھا کرنا ہے، اگر ہمیں اس بات کا ہی علم نہیں کہ ملک میں کتنے لوگ بستے ہیں اور اُن کے لئے کتنے تعلیمی ادارے اور ہسپتال چاہئیں تو پھر ہمیں گڈ گورننس کی ویسے ہی فاتحہ پڑھ لینی چاہیے۔ باہر کے ملکوں میں نظم وضبط اور نظام کی افادیت اس وجہ سے ہے کہ اگر کوئی شہری ریاست کے ڈیٹا بیس میں نہیں تو پھر اس تک ریاست کے ثمرات نہیں پہنچ سکتے۔ اپنے ہاں اُلٹا حساب ہے، یہاں اگر آپ ڈیٹا بیس سے باہر ہیں تو شکر کرتے ہیں کہ ریاست آپ تک نہیں پہنچ سکتی تاکہ ٹیکس چوری سے لے کر ٹریفک قوانین کی دھجیاں اُڑانے تک ہر کام ہم کھل کھلا کے کر سکیں۔ ایسے میں یا خدا تیرا ہی آسرا ہے!

***

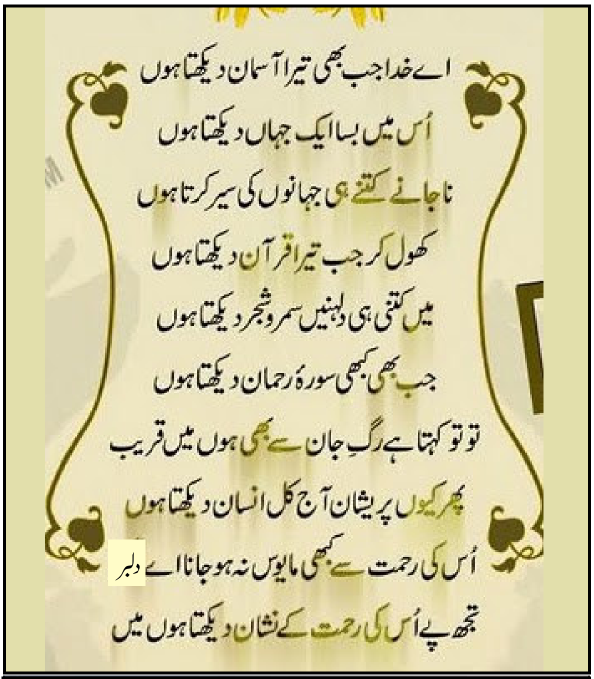

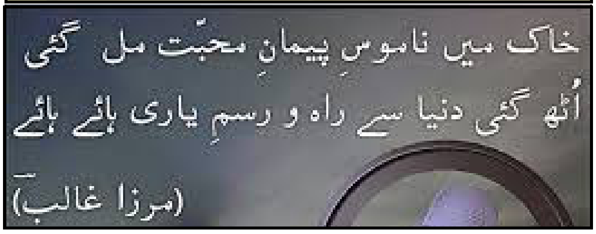

محمد یار کلیم

پھر اُنکی نگہ ناز کا احساں ہے آجکل
پھر مجھ کو فکر گردشِ دوراں ہے آجکل

وہ گئے کہ مجھ کو بیاباں کی تھی تلاش
تیرے بغیر گھر ہی بیاباں ہے آجکل

کیسا مذاق کس کی جدائی کہاں کا ہجر؟
اتنا ہے بس وہ آنکھ سے پنہاں ہے آجکل

اے موت تو کہاں کیا سُن رہاں ہوں میں
کیوں میرے حال پر وہ پشیماں ہے آجکل

وائے نصیب اتنی بھی تو خبر نہیں
کس حال میں وہ جانِ بہاراں ہے آجکل

اے کاش کوئی اس بُتِ کافر کو دے پیام
تجھ بن تیرا کلیم پریشاں ہے آجکل

غزلیات

محسن نقوی

سینے سے لپٹ جا میرے خوابوں سے نکل کر
اک بار ملیں ہم بھی حجابوں سے نکل کر
کرنوں کی طرح بانٹ زمانے میں اُجالا
خوشبو کی طرح پھیل گلابوں سے نکل کر
مے خانوں کی صورت ہیں تیری جھیل سی آنکھیں
ڈوبے ہیں جہاں لوگ شرابوں سے نکل کر
مجھ کو بھی گوارہ نہیں اب تجھ سے بچھڑنا
دل بھی پریشان ہے سرابوں سے نکل کر
رہنے دو ابھی گردشِ دوراں میں ہے محسنؔ
بہلے گی طبیعت نئے عذابوں سے نکل کر...!

شکیل بدایونی

وہی آبلے ہیں وہی جلن کوئی سوزِ دل میں کمی نہیں
جو لگا کے آگ گئے تھے تم وہ لگی ہوئی ہے بجھی نہیں
میری زندگی پہ نہ مسکرا، مجھے زندگی کا الم نہیں
جسے تیرے غم سے ہو واسطہ وہ بہارِ خزاں سے کم نہیں
تیری یاد ایسی ہے باوفا پسِ مرگ بھی نہ ہوئی جدا
تیری یاد میں ہم مٹ گئے تیری یاد دل سے مٹی نہیں
وہی کارواں، وہی راستے وہ زندگی وہی مرحلے
مگر اپنے اپنے مقام پر کبھی ہم نہیں کبھی تم نہیں
نہ فنا میری نہ بقا میری مجھے اے شکیلؔ نہ ڈھونڈیئے
میں کسی کا حسنِ خیال ہوں میرا کوئی وجودِ عدم نہیں

عبدالکریم قدسیؔ

خوف کے تیر ہیں رستہ ہے کمانوں جیسا
میرا انجام ہے مخدوش مچانوں جیسا
کس کی ہمت تھی بھلا آ کے بسیرا کرتا
سینہ و دل تھا مرا اُجڑے مکانوں جیسا
زندگی ٹیڑھی لکیروں میں اُلجھ کر گزری
نقشہ قسمت کا تھا مدفون خزانوں جیسا
گھر کی دیواریں مہاجن کی نظر رکھتی تھیں
گھر کا ماحول تھا مقروض گھرانوں جیسا
کاشت کرتا ہے اُگاتا ہے نئی نت فصلیں
جذبۂ شوق میرا بوڑھے کسانوں جیسا
شعر قدسیؔ کے نیا خون عطا کرتے ہیں
نرم لہجے میں ہے انداز اذانوں جیسا

آج رَدّ الفساد ہونے دو

اطہر حفیظ فراز

دل کو دل میں آباد ہونے دو
گر ہے یہ ارتداد ! ہونے دو
درس اُلفت ہزار صفحوں کا
جو کوئی ہوتا ہے یاد ہونے دو
ایک شاعر کی آمد یہ ہے
جتنی ہوتی ہے داد ہونے دو
دل دکھانا بھی جرم لکھو
ماہ رُخو! انسداد ہونے دو
بغض اَبتر رہے تو بہتر ہے
اُلفتوں کی اولاد ہونے دو
عشق حد کو عبور کرتا ہے
کوئی اس کی میعاد ہونے دو
بے گناہوں کا قتل عام ہوا
کالعدم جہاد ہونے دو
ایک گل کے لئے نہیں جائز
ساری کلیاں آزار ہونے دو
اُس نے پوچھا تھا عشق کرنا ہے
میری ہاں سے مراد ہونے دو
لاکھ فتنے کئے دل نے
آج ردّ الفساد ہونے دو
گزرے وقتوں کے دُکھ اُدھورے
عشق تازہ ایجاد ہونے دو
حسن پردے میں چھپ رہا ہے فرازؔ
لفظ میرے آزاد ہونے دو

آدم چغتائی

نذرِ ڈاکٹر سر افتخار احمد ایاز صاحب

رُخ پہ ایازؔ کے جو نازشِ رعنائی ہے
اُس میں مضمر میرے محبوب کی دانائی ہے
جذبوں میں غیرتِ اسلام کی عظمت کا بھرم
پختگی جذبوں کی خامسؔ سے ہی در آئی ہے
تشنگی میں جو پیئے فکر و نظر کے قلزم
تپتے صحراؤں میں کیسی یہ نمی آئی ہے
خود کو تعمیر کیا صبر کی بنیادوں پر
ظلم بھی مہر بلب آج تماشائی ہے

قلزمِ فکر میں بہتا ہے سفینہ تیرا
انجمن ساز تیرا جذبہ تنہائی ہے
خود ہی تھا آشنا جو غیظ پہ اُتر آیا ہے
کتنا معصوم ولے دُشمنِ ہرجائی ہے
اک ہم ہیں کہ ترے در پہ گداؤں کی طرح
ایک تو ہے کہ زمانہ تیرا شیدائی ہے
خدمتِ خلق پہ آمادہ ہی رہتا ہے ایازؔ
قلبِ روشن میں نئے آدم کی شکیبائی ہے
نئے آدم سے مراد حضرت مسیح موعود

ایم اے راجا اسلام آباد

یوں ہی لہجے میں میں عزاداری نہیں آ جاتی
دل نہ گر چاہے تو غمخواری نہیں آ جاتی
یہ کسی ایک کی فطرت میں رچی ہوتی ہے
ورنہ ہر ایک کو فنکاری نہیں آ جاتی!
تیرے اجداد میں موجود اگر ہوتی کچھ
تجھ میں بھی آج وہ خودداری نہیں آ جاتی
ہم نے سوچا ہی نہیں ہم نے یہ چاہا بھی نہیں
ورنہ کیا ہم کو جہاں داری نہیں آ جاتی!
ماں سے اکثر یہ وراثت میں ملا کرتی ہے
خود بخود بیٹی کو گھر داری نہیں آ جاتی
جو گلے میں مرے ہوتا کوئی جادو تو کیا
اب تلک مجھ کو صداکاری نہیں آ جاتی!
کچھ تو ہوتا ہے دروں خانہ وگرنہ راجا
لب پہ ایسے ہی طرفداری نہیں آ جاتی

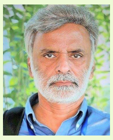

ساحل سلیم

ہوتا ہے میرے کان میں اعلان مسلسل
کرتا ہے مجھے کوئی پریشان مسلسل
وہ شور کہ کچھ بھی سنائی نہیں دیتا
بجتے ہیں اکیلے میں میرے کان مسلسل
شاید میری بینائی میں کچھ نقص ہے، مجھ کو
حیوان نظر آتے ہیں، انسان مکمل
میں شاعرِ مسکیں ہوں، غزل دل پہ لکھتا ہوں
چھپتے ہیں بڑے لوگوں کے دیوان مسلسل
آنے نہیں پاتے کہ چلے جاتے ہیں پیسے
مر مر کے یہاں ہوتی ہے گزران مسلسل
لُوٹے چلے جاتے ہیں غریبوں کی کمائی
رہتے ہیں بڑے ٹھاٹھ سے سلطان مسلسل
ووٹوں کے عوض چور بھی بنتے ہیں سپاہی
یہ دیکھ کہ ہوتا ہوں حیران مسلسل
ہے آج مسلمان منافع میں سرار
نوٹوں کے عوض بیچ رہے ہیں ایمان مسلسل
غلے کی جگہ کھیت میں اگتی ہے تباہی
ہے آج کا دہقان پریشان مسلسل
تا عمر کبھی پھول نہ جن ہاتھوں نے تھامے
مٹی سے بناتے ہیں ہیں ہو گلدان مسلسل
ہے قحط زمانہ میں پچھلے لوگوں کا ساحل
پر شہر ہوئے جاتے ہیں گنجان مسلسل

میاں کے دوست

راجہ مہدی علی خان۔ممبئی

آئے میاں کے دوست تو آتے چلے گئے
چھوٹے سے ایک گھر میں سماتے چلے گئے
وہ قہقہے لگے کہ چھتیں گھر کی اُڑ گئیں
بنیاد سارے گھر کی اُڑاتے چلے گئے
بکواس ان کی سن کے شیاطین رو پڑے
رویا جو ایک،سب کو رُلاتے چلے گئے
نوکر نے آج چائے کے دریا بہا دئے
دریا سمندروں میں سماتے چلے گئے
الماریوں میں سہم گئے بسکٹوں کے ٹِن
چن چن کے ایک ایک کو کھاتے چلے گئے
کھانے کی چیزیں نادرو نایاب ہو گئیں
دلی کا قتلِ عام مچاتے چلے گئے
شیروں کی طرح ٹوٹ پڑے آ کے میز پر
جو چیز بھی ملی وہ چباتے چلے گئے
جیسے پولیس مین پکڑتا ہے چور کو
ہر شے پکڑ کے پیٹ میں لاتے چلے گئے
انجن کی طرح منہ سے اگلتے رہے دھواں
اور سگرٹوں کی راکھ گراتے چلے گئے
ہر سمت پھینک پھینک کے ماچس کی تیلیاں
کُوڑے کا فرش گھر میں بچھاتے چلے گئے
کمرے میں گھومتے ہوئے کیچڑ بھرے وہ بوٹ
قالین کے نصیب جگاتے چلے گئے
دیواروں سے ٹکے رہے چپڑے ہوئے وہ سر
ہر نقشِ ماسوا کو مٹاتے چلے گئے
آوازیں ''آخ تھوخ'' کی ہوتی رہیں بلند
سوئے ہوئے گلوں کو جگاتے چلے گئے
کوئی کتاب اپنے ٹھکانے نہ رہ سکی

ہندی کو فارسی میں ملاتے چلے گئے
اخباروں کی وہ دھجیاں بکھریں کہ کیا کہوں
اب ان سے وہ نگاہ کے ناطے چلے گئے
دیواریں وہ نہیں رہیں، وہ در نہیں رہا !
جس گھر پہ مجھ کو ناز تھا، وہ گھر نہیں رہا!

مبارک احمد عابد امریکہ

ہائے یہ زخم بھی لگانا تھا
وقتِ رُخصت ہی مسکرانا تھا
رو رہا تھا وہ گھپ اندھیرے میں
کہ مجھے راستہ سجھانا تھا
در تیرا چھوڑ کر کہاں جاتا
یہ میرا آخری ٹھکانا تھا
میرا سب کچھ ہی میری چاہت تھی
اور ترے ساتھ سب زمانہ تھا
چاند دیکھا تو وہ ہنسے عابدؔ
یہ بھی منظر بڑا سہانا تھا

مجبوری لاچاری لکھ !

پروفیسر مہندر پرتاپ چاندؔ

مجبوری، لاچاری لکھ
ہاں رُوداد ہماری لکھ
غیروں کو الزام نہ دے
اپنوں کی عیّاری لکھ
سوچ جو ہلکی ہے تو کیا
غزلیں بھاری بھاری لکھ
عیب نہ گنوا اوروں کے
اپنی کار گزاری لکھ
پہلے جھوٹے وعدے کر
پھر اپنی لاچاری لکھ
چاہے حقیقت کچھ بھی ہو
اپنا پلڑا بھاری لکھ
اُجڑے گھر کے آنگن میں
ہری بھری پھلواری لکھ
ہر منصب ہر عہدے پر
اپنی دعوے داری لکھ
مات پتا کو دے بَن واس
خود کو آ گیا کاری لکھ
چاندؔ کی خصلت میں یاربّ
کچھ تو دُنیا داری لکھ

جمشید مسرور ناروے

دور کھڑا ہے دشت میں ایک شجر لگا ہوا
جیسے فصیل شہر سے شہر بدر لگا ہوا
سوز سے یوں نڈھال ہے زخم جگر لگا ہوا
جیسے زمیں پہ درد سے خواب کا سر لگا ہوا
شعبدہ باز لوگ ہیں چشم زدن میں کیا ہوئے
خاک پہ دھڑ پڑا ہوا پیڑ پہ سر لگا ہوا
ملتے ہیں روز شہر میں چند مُزین آدمی
خوک کی دُم لگی ہوئی بوم کا پر لگا ہوا
جانے کدھر سے ہو کے آج موج خیال آئی ہے
چوٹ اُدھر لگی ہوئی زخم اِدھر لگا ہوا
خاک پہ ہو کہ طاق پر پھول کی وہ جگہ نہیں
جیسے مقام پر نہیں نیزے پہ سر لگا ہوا
خود سے ہی اختلاف تھا بات بھی ایسی کچھ نہ تھی
اور اسی ایک بات کا مجھ کو ہے ڈر لگا ہوا

منور احمد کنڈے

وقت کے باغات میں اشجار ہیں پر پھل نہیں
زندگی کب زندگی ہے اس میں گر ہلچل نہیں
بجلیاں آ آ کے گرتی ہیں نشیمن پر ہزار
چلچلاتی دھوپ ہے میلوں تک بادل نہیں
کس طرح اس کو دکھائیں کیسے سمجھائیں اسے
قتل ارماں ہو گئے لیکن کوئی مقتل نہیں
ریزہ ریزہ ہو چکے ہم خاک میں ملنے کو ہیں
آج کے مہماں ہیں شاید اس جہاں میں کل نہیں

امجد مرزا امجد

یہ حادثہ ساتھ مرے اکثر جو ہو گیا
پھولوں کی آرزو میں وہ کانٹے چبھو گیا
آیا تھا وہ خوشی و مسرت کو بانٹنے
جانے لگا نجانے کیوں آنکھیں بھگو گیا
آنکھوں کا تھا خمار کہ وہ تھی مانندِ حور
نہ کچھ رہا ہوش، کہ دیوانہ ہو گیا
کپڑے ہوئے ہیں تار تار زخمی ہوئے پاؤں بھی
گھر کے صحن میں وہ جو کانٹے ہی بو گیا
ہم نے تو سونپ رکھی تھی امجدؔ کو ناخدائی
آیا طوفان یہ کیسا کہ سفینے ڈبو گیا

حماد

محبت معجزہ ہے

محبت نور ہے، اک راگنی ہے
محبت میں عجب سی چاشنی ہے
کبھی پربت کے پربت کھود ڈالے
کبھی قدموں سے صحرا روند ڈالے

کبھی کچے گھڑے پر تیرتی ہے
کبھی رُخ بادلوں کا پھیرتی ہے
کبھی لیلٰی کی یہ وارفتگی ہے
کبھی یہ قیس کی دیوانگی ہے
کبھی یہ خضر بن کر راہ دکھائے
کبھی خنجر تلے سجدہ کرائے
یہ کانٹوں پر بھی چلنا جانتی ہے
محبت ہنس کے مرنا جانتی ہے
جلال و جاہ کو ٹھوکر لگائے
کبھی دیوار میں چنوائی جائے
کبھی سولی کو حرزِ جاں بتائے
کبھی گلزار شعلوں کو بنائے
محبت فصلِ گل کی تازگی ہے
خودی کا راز ہے اور بیخودی ہے
محبت کا انوکھا سلسلہ ہے
کہیں یثرب کہیں پر کربلا ہے
ہر اک صورت میں یہ زندہ رہی ہے
محبت معجزہ ہے، محبت بندگی ہے

جمیل الرحمن

میں جس رات سونے سے ڈرتا رہا
اندھیرا بہت شور کرتا رہا
پرندوں نے پہلے اُڑائی خبر
شجر بعد میں رنگ بھرتا رہا
اگر ہر طرف پیاس ہی پیاس ہے
تو پانی کہاں سے گزرتا رہا
کیا راکھ پل میں کسی آگ نے
مگر دیر تک میں بکھرتا رہا
اُسے اُس کی اپنی انا کھا گئی
وہ دنیا پہ الزام دھرتا رہا
میں تیرے لئے جاں سے کیا جاؤں گا
اگر عشق پر ناز کرتا رہا
سنی کب کناروں کی اُس نے جمیلؔ
سمندر میں دریا اُترتا رہا

عبدالصمد قریشی

پھیلے ہوئے شہر جنوں میں حرص و ہوش کے جال
انسانوں کے دیس میں تھا جب انسانوں کا کال
ہوتی تھیں ہرروز وہاں نفرتوں کی تدبیریں
اہل خرو نے اوڑھ رکھی تھی جہل کی میلی شال
بھول چکے تھے وہ سب مولیٰ کے انعام
یاد نہیں تھا اُن کو ماضی اپنے ماضی کا احوال
ان کی فطرت کا خاصا تھا دھوکہ اور فریب
بنتے رہتے تھے وہ ظلم کے اُلٹے سیدھے جال
ایسے میں کچھ لوگ تھے واں سچائی کے پیکر
پیار،محبت، صدق وصفا اور فکر سے مالا مال
کرتے تھے وہ اپنے خدا کی حمد وثنا کی باتیں
رہتے تھے وہ اس کی چاہت میں دن رات نہال
سہتے تھے سب ظلم وستم وہ اپنے رب کی خاطر
چشم فلک نے دیکھے تھے کب ایسے لوگ کمال
ان پر کیا کیا ظلم ہوئے پر حق سے منہ نہ موڑا
صبرورضا سے سہتے رہے وہ سارے حزن وملال
راہِ وفا میں ان کے سارے جذبے تھے انمول
دست دعا ہتھیار تھے ان کے سچائی تھی ڈھال
ان کے آگے کچھ بھی نہیں تھے دنیا کے آزار
ہر شے سے مضبوط تھا ان کا صبر و استقلال
جھکتے تھے ہر حال میں بس وہ اپنے خدا کے آگے
اس کے ہی آگے رکھتے تھے اپنا حال واحوال
آخر اک دن رنگ لائی انکی دعائیں ساری
وقت نے دیکھا ظالم ہوگئے بے بس و بدحال
ان کی خاطر ان کے خدا کی رحمت جوش میں آئی
چھٹنے لگے سب ظلم کے سائے دور ہوئے جنجال
حکم خدا سے خاک میں مل گئے دشمن کے منصوبے
دیکھتے دیکھتے اُلٹی ہوگئی دشمن کی ہر چال
بننے لگا پھر سارا عالم خوشیوں کا گہوارہ
دور ہوئے تب خوف کے سائے ہوگئے سب خوشحال
ملنے لگا یوں اہل و وفا کو صبر کا میٹھا پھل
کرتا ہے وہ اپنے دلاوروں کو یوں مالا مال
آج پھر تاریخ چلی ہے ماضی کو دہرانے
آج بھی پھر سے زندہ ہوئی ہیں تابندہ امثال
آج بھی ہیں کچھ لوگ جہاں میں عزم ویقیں کا مظہر
کرنہیں سکتا ان کے جذبوں کو کوئی پامال
ان کی بھی پہچان بنے ہیں ان پر کفر کے فتوے
ان کی تقصیر ہوئے ہیں ان کے حسین اعمال
دمک رہی ہیں لوحِ فلک پر اب ان کی تصویریں
کندہ ہیں اب وقت کے ماتھے پر ان کی اشکال

خواجہ عبدالمومن نارو ے

وہ دن گزر گئے وہ زمانے بدل گئے
دنیا کی کھا کے ٹھوکریں ہم بھی سنبھل گئے
جن پر نثار کرتے تھے ہم اُلفتوں کے پھول
آیا کچھ ایسا جھونکا ہوا کا پھسل گئے
میں جن کے واسطے رہا کرتا دُعائے خیر
بن کے میرے رقیب نگاہیں بدل گئے
حرص و ہوس کی دوڑ ہے ایسی لگی ہوئی

جو پیچھے آ رہے تھے وہ آگے نکل گئے
جاتے نہیں خطا، کبھی راتوں کے تیر دوست
ہم نے بھی جب وہ تیر چلائے تو چل گئے
سجدے میں جب گداز ہوا دل تو یوں لگا
آنسو میرے تمام اک طوفاں میں ڈھل گئے
مومنؔ کے دل سے جب بھی اُٹھا ہے کبھی دُھواں
دو چار اپنی آگ میں فرعون جل گئے

بشارت احمد بشارت جرمنی

کچے سی مکان پکے پیار ہوندے سی
ہانی میرے پِنڈ دا شنگار ہوندے سی
ترقیاں نے ماواں کولوں پُت کھو لیا
کاراں وچ بہہ کے دُکھ گھر ڈھو لیا
چنگے سی جو گڈے دے سوار ہوندے سی
بندیاں توں بندہ ٹیلیفوناں کھو لیا
نیٹ اُتے ہسیا تے نیٹ اُتے رو لیا
بوڑھ ہیٹھاں یاراں دے دیدار ہوندے سی
جوانی دے سرور نوں مشیناں کھا گئیاں
روگاں نال بھریاں خوراکاں آ گئیاں
چُوریاں نال گھبرو اُسار ہوندے سی
ٹالیاں دی چھاں کدے واجاں ماردی
سون دی پھوہار کدے جند وار دی
چن تارے روز ساہڈے یار ہوندے سی

چودھری مسعود احمد جرمنی

ظلمت کو سراہوں گا نہ تنویر کروں گا
جو دیکھا ہے میں نے، وہی تحریر کروں گا
پھونکوں گا نئی رُوح محبت کے بدن میں
اس طرح مکمل تیری تصویریر کروں گا
رُسوائی تری مجھ کو گوارا نہیں ہوگی
سمجھانے کی خود کو کوئی تدبیر کروں گا
دھڑکن میں بساؤں گا ترا پھول سا پیکر
اس طرح حسین سوچ کی تعمیر کروں گا
احساس میں رکھوں گا چھپا کر تری صورت
نظروں کے مقابل نہ کبھی تیر کروں گا
مسند پہ جو انصاف کی بٹھلاؤ گے مجھکو
میں پیروئِ عدلِ جہانگیر کروں گا
بیدار ہو جس سے یہ مری سوئی ہوئی قوم
موقع جو ملا ایسی ہی تقریر کروں گا
گونجیں گے بہر سُو مری ہمت کے ترانے
جس وقت خلاؤں کو میں تسخیر کروں گا
دو گے صدا مجھ کو دھڑکتے ہوئے دل سے
مسعودؔ میں آنے میں نہ تاخیر کروں گا

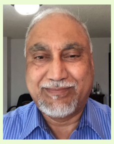

احسن احمد گردیزی

جو بھی دنیا میں تھا با وفا اُٹھ گیا
اب تو دنیا سے یارو مزہ اُٹھ گیا
ہم سفر غور کر سوچ خود ہی ذرا
ناخدا ہے اٹھا کیا خدا اُٹھ گیا
تیری محفل میں بے مدعا آ گیا
تیری محفل سے بے مدعا اُٹھ گیا
دل میں سوئی ہوئی آہ کی طرح تھا
میں فضاؤں میں بن کے صدا اُٹھ گیا
بے نوائی بھی جس کی عجب چیز ہے
جگ سے وہ احسنؔ نے نوا اُٹھ گیا

شریف نیازی

آئے وہ انجمن میں تو منہ پر نقاب تھا
بادل میں چھپ گیا تھا مگر ماہتاب تھا
یوں دیکھتے ہی اُس نے ہر خط اُلٹ دیا
جیسے کتابِ عمرِ گذشتہ کا باب تھا
محسوس وقت مرگ کچھ ایسا ہوا مجھے
جیسے کہ زندگی کوئی رنگین خواب تھا
گزری تمام عمر مری اس طرح شریفؔ
تسبیح تھی یا ہاتھ میں جام شراب تھا

بشیر طارق

جب کلی کوئی مسکرائی ہے
کیوں مجھے تیری یاد آئی ہے
جب خوشی کی کوئی جھلک دیکھی
غم کی آندھی بھی ساتھ آئی ہے
خواہشِ مرگ پر ہمیشہ ہی مصر
زندگی مجھ پہ مسکرائی ہے
ہاتھ میں جام زندگی تھامے
موت بھی مسکرا کے آئی ہے
جام و مینا کی بات رہنے دو
زلف و عارض کی بات آئی ہے
زندگی تو کسی کے نام سے تھی
موت بھی آج سے پرائی ہے

منیر باجوہ

کششِ عشقِ حقیقی کی بنا دیتی ہے شیدائی
کہیں، پاتا نہیں لذت، وہ دیوانہ وہ شیدائی

اسی کی جھلک پانے کیلئے رہتا ہے وہ ترساں
اسی کے در پہ مرتا ہے نہیں ہوتا وہ ہرجائی
مصائب کے پہاڑوں سے گزرتا ہے بشاشت سے
نہ ڈر چھلنی بدن ہوگا، نہ خوفِ کوہِ پیمائی
نگاہوں میں بسی رہتی ہے بس تصویر دلبر کی
چڑھاؤ لاکھ سولی پر، نہیں دیتا وہ دوہائی
جھکا دیتا ہے سر اپنا رضائے یار کی خاطر
نہیں در چھوڑتا اسکا، یہ دیوانہ، یہ سودائی
وفا اُسکی بدل دیتی ہے تقدیریں زمانے کی
قضائے آسمانی بھی یہ کہہ اُٹھتی ہے، میں آئی، کہ اب آئی
اُڑا دیتی ہے پرخچے ستم گاروں کے دنیا میں
نہیں کچھ چھوڑتی اُنکا، بجز ذلت و رسوائی
بچا لاتی ہے انکو ظالموں کے ہر شکنجے سے
لگا لیتی ہے سینے سے کہ، خوشبوئے وفا آئی
ریزہ ریزہ کر دیتی ہے، زندانوں، زنجیروں کو
اسکی ایک ٹھوکر سے ہے، اُڑ جاتی شہنشاہی
چھڑا لیتی ہے وہ جبڑوں سے ان ظالم درندوں کو
روکے کون اس کے غضب کو؟ کس کو ہے یارائی؟
نہ بچ پایا ہے اب تک کوئی جابر اسکے ہاتھوں سے
لرزتی اسکی ہیبت سے ہے، جمشیدی و دارائی
منیرؔ بے نوا کی سُن، کرم کر اپنی رحمت سے
تیرے در کا سوالی ہے، یہ دیوانہ، یہ سودائی

قانون قدرت اور نعمتیں

مالکِ کائنات سب سے بڑھ کر ہر جاندار کا خیال رکھنے والا ہے اس لئے ہر جاندار کو پیدا کرنے سے پہلے اس کی زندگی کے سارے سامان پیدا کئے پھر زندگی پیدا کی۔ یہ قانون قدرت ہے جو ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا۔ یہ قانونِ قدرت سمندر کی اتھاہ گہرائیوں سے لے کر زمین کے ہر ذرّے تک جاری وساری ہے۔ شہری زندگی میں جہاں ترقی کے بے شمار مواقع ہیں وہاں گاؤں کی زندگی بھی قدرتی نعمتوں سے مالا مال ہے۔ گرمیوں میں نہروں کے ٹھنڈے پانی، قدرتی چشمے، بہتے جھرنے اور جھیلیں جنت کا سماں پیش کرتے ہیں۔ ان کے صاف شفاف پانیوں سے انسان کو جو راحت ملتی ہے اس کو لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ زمین پر جتنے بھی قدرتی نظارے دکھائی دیتے ہیں یہ سب گاؤں کا سرمایہ ہیں۔ میلوں تک پھیلے کھیت اور ان میں مختلف قسم کی فصلیں۔ پھول پھل اور درختوں کی ٹھنڈی چھاؤں بھی دیہات میں ہی ہیں۔ سردیوں کی سونے جیسی دھوپ میں بیٹھ کر گنے چوسنے کا اپنا ہی مزہ ہے۔ درختوں سے توڑ کر تازہ مالٹے، کینو، امرود اور دوسرے پھل کھانے کا جواب ہی نہیں گرمیوں میں پھلوں کے بادشاہ آم سے سجے باغ بھی عام طور پر گاؤں میں ہی نظر آتے ہیں۔ ساون کی انمول سوغات جامن کا پھل بھی پنجاب کے دیہاتوں میں ہی کثرت سے پایا جاتا ہے۔ سرسوں کے ساگ کے ساتھ مکئی اور باجرے کی مکھن میں نہائی ہوئی روٹی بھی گاؤں کی بہت بڑی سوغات ہے۔

***

بدلتا ہوا زمانہ

جمیل خان

ہمارے ہاں جب تک مذہب فرد کے ذاتی معاملے اور عقیدے کی صورت میں معاشرے میں رائج رہا، اس وقت تک فتنہ، فساد، انتشار، تفرقہ بازی اور قتل و غارت گری کا بازار یوں گرم نہ تھا۔ لوگ مذہبی ہوتے تھے، لیکن اپنے لیے، دوسروں پر اپنا مذہب مسلط کرنے کی کوشش کرنے والوں کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا تھا۔ جب مذہبی ٹھیکے داروں کو ریاست نے اپنے مذموم مقاصد کے لیے تزویراتی گہرائیاں کھودنے کی خاطر استعمال کرنا شروع کیا، تو یہ مذہبی ٹھیکے دار اپنی اپنی اناؤں کے بتوں کو لے کر ہماری بستیوں میں گھس آئے۔ اُن کی اناؤں کے یہ بُت کانچ کے بھی نہیں تھے، بلکہ یہ تو برف کے تھے، جو کانچ کی مانند ٹوٹنے کے ساتھ ساتھ گرمی سے پگھل بھی جاتے تھے، یوں ان کی اپنی انائیں سوالات کی ضرب سے ٹوٹنے یا جذبات کی حرارت سے پگھلنے لگیں تو ان بدبختوں نے ان سوالات اور جذبات کو خدا اور رسول ﷺ کی توہین اور اسلام کے لیے خطرہ قرار دے دیا......! آج یہی رویہ معاشرے کے ہر ایک فرد اور ہر ایک ادارے نے اپنا رکھا ہے، یعنی ہر فرد یا ادارے کی انا نے نعوذ باللہ خدا اور رسول کا درجہ حاصل کر لیا ہے۔

***

ہم صبر کرتے ہیں

ارشاد عرشی ملک

گِلا ہے نہ شکایاتِ ستم...ہم صبر کرتے ہیں
وقارِ صبر کی ہم کو قسم...ہم صبر کرتے ہیں
کوئی جب دل دُکھاتا ہے لبوں کو بھینچ لیتے ہیں
اگر چہ آنکھ ہو جاتی ہے نم... ہم صبر کرتے ہیں
دعا دیتے ہیں اپنے دشمنوں کو گالیاں سن کر
ستم ہوتا ہے تمہیدِ کرم...ہم صبر کرتے ہیں
ہمیں نفرت کی زنجیروں میں تم نے باندھ رکھا ہے
ہمارے سر پہ ہے تلوار خم...ہم صبر کرتے ہیں
نئی ہر آزمائش پر دعا دل سے نکلتی ہے
خدایا ہم کو رکھ ثابت قدم...ہم صبر کرتے ہیں
نگاہوں میں خدا کی محترم ہونے کی خواہش ہے
زمانے میں ہیں گو نامحترم...ہم صبر کرتے ہیں
ہمارا صبر پڑ جائے نہ ظالم پر ہمیں ڈر ہے
سو دیتے ہیں دعائیں دم بدم...ہم صبر کرتے ہیں
فضیلت صبر کی جب سے ہمیں مہدی نے سمجھائی
بہت بھایا ہے ہم کو ضبطِ غم...ہم صبر کرتے ہیں
زمانے نے گواہی دی شکیب و صبر کی اپنی
گواہی دیں گے اب لوح و قلم...ہم صبر کرتے ہیں
سوا سو سال میں ہم پر جو گذری دشتِ غربت میں
ہے ورقِ جاں پہ اشکوں سے رقم.. ہم صبر کرتے ہیں
مورّخ جب ہمارے عہد کی تاریخ لکھے گا
تو خوں اُگلے گا کاغذ پر قلم...ہم صبر کرتے ہیں
ہم اصحابِ کہف کے پاس جو سکے پرانے ہیں
نہیں مقبول وہ دام و درم...ہم صبر کرتے ہیں
صلے میں صبر کے ہم نے خدا کا قُرب پایا ہے
نہیں اب دل میں کوئی خوف و غم..ہم صبر کرتے ہیں
بشر اس وصف کے ہونے سے افضل ہے فرشتوں سے
ہے قائم اس سے انساں کا بھرم...ہم صبر کرتے ہیں
رضا محبوب کی اپنی رضا جب سے بنا لی ہے
اسی خواہش میں ہر خواہش ہے ضم... ہم صبر کرتے ہیں
بہت جلتا ہے جب سینہ، بہت جب دل سُلگتا ہے
تو کر دیتے ہیں سر سجدے میں خم...ہم صبر کرتے ہیں
ملا ہے ہم کو درویشی میں ایسا لُطفِ بے پایاں
نہیں دل میں تمنائے حشم...ہم صبر کرتے ہیں
بہت محبوب ہے لوگو ہمیں جامِ سِفال اپنا
نہیں دیں گے بعوضِ جامِ جم... ہم صبر کرتے ہیں
قناعت ہو سخاوت ہو کہ ضبط و بُردباری ہو
ہیں حرفِ صبر میں سارے بہم۔۔۔ ہم صبر کرتے ہیں
جہاں کے شہر یاروں تک، زمیں کے سب کناروں تک
کبھی لہرائے گا اپنا عَلَم... ہم صبر کرتے ہیں
ہر عُسر و یُسر میں صبر و رضا مومن کا سرمایہ
سہل کرتا ہے یہ سارے الم... ہم صبر کرتے ہیں
ہماری سب تمنائیں عزائم خاک ہیں عرشی
خدا کا حُکم ہے بے شک اہم... ہم صبر کرتے ہیں
ہماری طرح بھیجے گا نہ کوئی نظموں کے تحفے
سدا بانٹا،کیا جو بھی رقم... ہم صبر کرتے ہیں

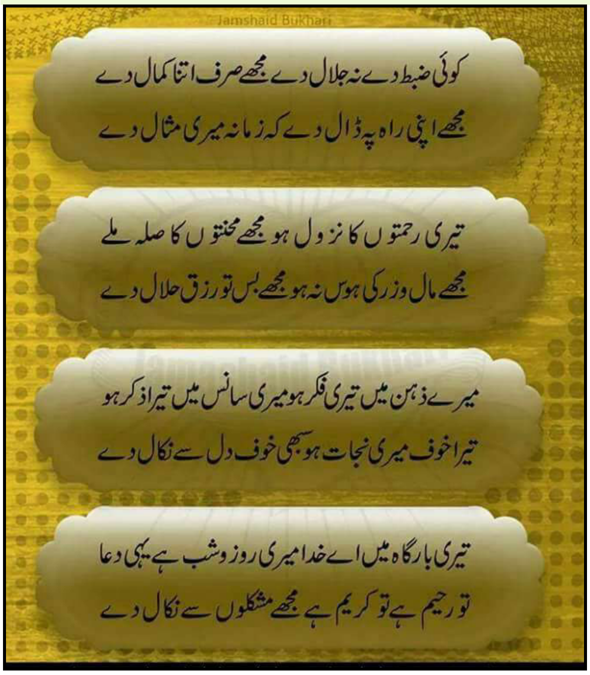

معافی اور توبہ

جاوید چوہدری

اچھا تم بتاؤ اللہ تعالیٰ نے انسان کو سب سے بڑا تحفہ کیا دیا تھا‘‘ وہ مسکرائے اور میری طرف دیکھا‘ میں سوچ میں پڑ گیا‘ وہ اس دوران میری طرف دیکھتے رہے‘ میں نے تھوڑی دیر سوچا اور عرض کیا ’’شعور‘‘ انہوں نے انکار میں سر ہلا دیا‘ میں نے عرض کیا ’’عقل‘‘ وہ فوراً بولے ’’شعور اور عقل دونوں ایک ہی چیز ہیں‘‘ میں نے مزید سوچا اور عرض کیا ’’آکسیجن‘ سورج کی روشنی‘ پانی‘ خوراک اور جمالیاتی حس‘‘ انہوں نے ناں میں گردن ہلا دی‘ میں نے عرض کیا ’’تعمیر کا فن‘ انسان کائنات کی واحد مخلوق ہے جو پتھروں کو ہیرے کی شکل دے سکتی ہے‘ جو مٹی کا محل بنا سکتا ہے اور جو ریت کے ذروں کو شیشے میں ڈھال سکتا ہے‘‘ وہ مسکرائے اور انکار میں سر ہلا دیا‘ میں نے اس کے بعد انسان کی تمام خوبیوں اور صلاحیتوں کا نام لینا شروع کر دیا لیکن وہ انکار میں سر ہلاتے رہے یہاں تک کہ میں تھک گیا اور بے بسی سے ان کی طرف دیکھنے لگا‘ وہ مسکرائے اور نرم آواز میں بولے ’’آپ نے انسان کی جن خوبیوں اور صلاحیتوں کا ذکر کیا وہ تمام اللہ تعالیٰ کی دین ہیں اور جب تک اللہ تعالیٰ چاہتا ہے یہ خوبیاں قائم اور دائم رہتی ہیں لیکن جب اللہ تعالیٰ ناراض ہو جاتا ہے تو انسان فرعون ہو یا نمرود یا بش اس کی خوبیاں اس کی خامیاں بن جاتی ہیں اور وہ دنیا میں زندہ لاش بن کر رہ جاتا ہے‘‘ میں خاموشی سے سننے لگا‘ وہ بولے ’’میں آپ کو اب اس سب سے بڑے تحفے کے بارے میں بتاتا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطا کیا‘‘ میں ہمہ تن گوش ہو گیا‘ وہ بولے ’’قدرت نے انسان کو اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کی صلاحیت سے نواز رکھا ہے‘ دنیا کی کوئی دوسری مخلوق‘ کوئی خاکی یا نوری پیکر اس خوبی کی مالک نہیں‘‘ میں نے حیرت سے پوچھا ’’جناب میں آپ کی بات نہیں سمجھا‘‘ وہ بولے ’’مثلاً تم چاند کو لے لو اللہ تعالیٰ نے جب کائنات بنائی تو اس نے چاند میں ایک پروگرام فیڈ کر دیا اور چاند اب اس پروگرام کے تحت چمک رہا ہے اور جب تک قدرت پروگرام نہیں بدلے گی یہ چاند اسی طرح چمکتا رہے گا‘ آپ سورج‘ ستاروں اور سیاروں کو لے لیجئے‘ زمین کی حرکت کو لیجئے‘ ہواؤں‘ فضاؤں‘ ندیوں اور نالوں کو لے لیجئے‘ دریاؤں‘ سمندروں اور پہاڑوں کو لے لیجئے‘ زلزلوں‘ طوفانوں اور سیلابوں کو لے لیجئے‘ یہ تمام ایک پروگرام کے تحت چل رہے ہیں اور قدرت یہ پروگرام فیڈ کر کے ان سے لاتعلق ہو گئی‘‘ وہ خاموش ہو گئے۔

میں نے عرض کیا ’’جناب میں اب بھی آپ کا نقطہ نہیں سمجھ سکا‘‘ وہ بولے ’’دنیا کا کوئی پہاڑ‘ کوئی درخت‘ کوئی جانور‘ کوئی ستارہ اور کوئی سیارہ اللہ تعالیٰ کو خوش نہیں کر سکتا لیکن انسان کو اللہ تعالیٰ نے اس خوبی سے نواز رکھا ہے کہ وہ اپنے رب کی خوشنودی حاصل کر سکتا ہے‘ وہ اسے راضی کر سکتا ہے‘‘ میں نے عرض کیا ’’جناب میں یہی تو آپ سے پوچھ رہا ہوں‘‘ وہ مسکرائے اور بولے ’’لیکن اس نقطے کو سمجھنے کیلئے مجھے پیچھے تاریخ میں جانا پڑے گا‘‘ میں خاموشی سے سننے لگا‘ وہ بولے ’’آپ شیطان اور حضرت آدمؑ کا واقعہ دیکھئے‘ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو حکم دیا وہ انسان کو سجدہ کرے‘ شیطان نے حکم عدولی کی‘ اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہوئے اور اسے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے راندۂ درگاہ کر دیا‘ شیطان آسمانوں سے اترا اور کروڑوں سال سے زمین پر خوار ہو رہا ہے جبکہ اس کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو گندم کا دانہ چکھنے سے منع فرمایا حضرت آدمؑ نے بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی کی‘ اللہ تعالیٰ ان سے بھی ناراض ہوئے اور انہیں بھی آسمان سے زمین پر بھیج دیا لیکن حضرت آدمؑ کے رویئے اور شیطان کے رویئے میں بڑا فرق تھا‘‘ وہ دم لینے کیلئے رکے اور دوبارہ گویا ہوئے ’’شیطان زمین پر آنے کے باوجود اپنی بات پر اڑا رہا جبکہ حضرت آدمؑ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور وہ اللہ تعالیٰ سے توبہ کرنے لگے‘ وہ سجدے میں پڑے رہتے تھے وہ رکے اور دوبارہ بولے ’’جب تک انسان کو اللہ کی محبت‘ کرم اور رحم نصیب نہیں ہوتا اس وقت تک انسان کو سکون‘ آرام‘ چین‘ خوشی اور مسرت حاصل نہیں ہوتی‘ خوشی‘ خوشحالی اور سکون اللہ کی رضامندی سے منسلک ہے اور جو شخص‘ جو قوم اور جو طبقہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی سے محروم ہو جاتا ہے اس کا سکون‘ خوشی اور خوشحالی چھن

جاتی ہے چنانچہ جب بھی انسان کا رزق تنگ ہو جائے' اس کا دل مسرت اور خوشی سے خالی ہو جائے' وہ چین اور سکون سے محروم ہو جائے اور اسے زندگی میں ایک تپش' ڈپریشن اور ٹینشن کا احساس ہو تو اسے چاہیے وہ اللہ تعالیٰ کے حضور جھک جائے' وہ کثرت سے توبہ کرے اور وہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرے' میں خاموش رہا' وہ بولے'' یہ سکون کا ایک نسخہ ہے' سکون کا دوسرا نسخہ معافی ہے' ہم لوگ دن میں اوسطاً سو سے تین سو تک غلطیاں کرتے ہیں' اگر ہم ہر غلطی پر معذرت کو اپنی روٹین بنا لیں' ہم نے جلد بازی' بے پروائی' نفرت' غصے' تکبر اور ہٹ دھرمی میں جس شخص کا حق مارا' ہم نے جس کو نقصان پہنچایا اور ہم نے جس کو ڈسٹرب کیا' ہم اگر فوراً اس شخص سے معافی مانگ لیں تو بھی ہماری زندگی میں سکون' آرام اور خوشی آ سکتی ہے' ہمیں معافی مانگنے میں کبھی کوتاہی نہیں برتنی چاہیے کیونکہ معافی وہ چٹان ہے جس کے نیچے سکون' خوشی اور خوشحالی کے چشمے چھپے ہیں اور جب تک ہم یہ چٹان نہیں سرکائیں گے' ہم خوشی' خوشحالی اور سکون کا ٹھنڈا پانی نہیں پی سکیں گے'' وہ رکے اور دوبارہ بولے'' یاد رکھو دنیا میں صرف اور صرف شیطان توبہ اور معافی سے دور رہتا ہے جبکہ اللہ کے بندے ان دونوں چیزوں کو اپنی روٹین بنا لیتے ہیں' ہٹ دھرمی' تکبر' ظلم' ضد' نفرت اور غصہ شیطان کی خامیاں ہیں اور جن لوگوں کی ذات میں یہ ساری خامیاں اکٹھی ہو جاتی ہیں' تم کبھی ان کے منہ سے توبہ اور معافی کا لفظ نہیں سنو گے چنانچہ تم کبھی ان لوگوں کو پرسکون' خوش اور خوشحال نہیں پاؤ گے' یہ دولت مند ہو سکتے ہیں لیکن یہ دولت انہیں خوشی اور سکون فراہم نہیں کرتی' تم ان لوگوں کا انجام بھی اچھا ہوتا نہیں دیکھو گے جبکہ معافی اور توبہ کرنے والے لوگوں میں تمہیں غصہ' نفرت' ضد' ظلم' تکبر اور ہٹ دھرمی نہیں ملے گی اور تمہیں یہ لوگ کبھی پریشان' ڈپریس اور ٹینس نہیں ملیں گے چنانچہ ہر لمحہ لوگوں سے معافی مانگتے رہو اور اللہ سے توبہ کرتے رہو' تمہاری زندگی سے کبھی سکون' خوشی اور خوشحالی کم نہیں ہو گی'' وہ خاموش ہو گئے' میں نے ان کے گھٹنے چھوئے اور باہر آ گیا۔

***

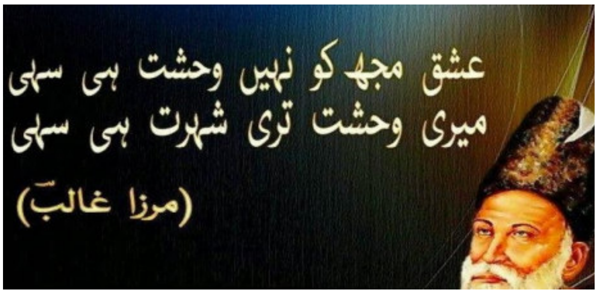

جی اے چشتی...موسیقاروں کے موسیقار
وہ ایک نابغہ روزگار سنگیت کار تھے۔
خیام جیسے موسیقاران کے شاگرد تھے

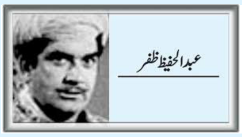

برصغیر میں ایک سے بڑھ کر ایک موسیقار پیدا ہوا جس نے اپنی لازوال دھنوں کی بدولت موسیقی کے شیدائیوں کو مبہوت کر دیا۔ موسیقار نوشاد کو موسیقارِ اعظم کا خطاب دیا گیا۔ اسی طرح بھارت میں ایس ڈی برمن' سی رام چندر' شنکر جے کشن' مدن موہن' لکشمی کانت پیارے لال' خیام' آر ڈی برمن' جے دیو' او پی نیر' رویندر جین' انیل بسواس اور کئی دوسرے سنگیت کاروں نے اپنے فن کی دھاک جمائی۔ پاکستان میں بھی بڑے شاندار موسیقار تھے جنہوں نے ایسی باکمال دھنیں بنائیں جن کی مثال ملنا مشکل ہے۔ اب بھی جب ایسے سنگیت کاروں کے گیت سننے کو ملتے ہیں تو دل جھوم اٹھتا ہے۔ ان کی فنی عظمت کا چراغ ایک طویل عرصے تک جلتا رہا۔ ان میں ماسٹر عنایت حسین' ماسٹر عبداللہ' نثار بزمی' اے حمید' امجد بوبی' ایم اشرف' طافو' سلیم اقبال' وزیر افضل اور کئی دوسرے شامل ہیں۔ ان میں ایک نام سب سے منفرد ہے جنہیں موسیقاروں کا موسیقار بھی کہا جاتا ہے۔ ان کا نام ہے جی اے چشتی۔ جی اے چشتی کو بابا چشتی کے نام سے بھی پکارا جاتا تھا۔ جی اے چشتی کا اصل نام غلام احمد چشتی تھا۔ وہ 17 اگست 1905 کو جالندھر (بھارت) میں پیدا ہوئے۔ ان کا شمار ان موسیقاروں میں ہوتا تھا جنہوں نے پاکستانی فلمی موسیقی کی بنیاد رکھی۔ بابا چشتی نے زیادہ تر پنجابی فلموں کی دھنیں بنائیں اور اپنی فلموں کی وجہ سے انہیں بے پناہ شہرت ملی۔ انہوں نے قریباً 150 فلموں میں موسیقی دی۔ وہ پہلے موسیقار تھے جنہوں نے 1947ء کے بعد سب سے پہلے 100 فلموں کی موسیقی دی۔ انہوں نے 12 فلموں کیلئے گیت بھی لکھے۔ اس طرح انہیں گیت نگار بھی کہا جا سکتا ہے۔ بابا چشتی کو بچپن سے ہی موسیقی سے لگاؤ تھا۔ وہ سکول میں نعتیں گاتے تھے۔ جب وہ لاہور آئے تو آغا حشر کاشمیری نے ان کی صلاحیتوں کو بھانپ لیا۔ آغا حشر کاشمیری ایک مشہور ادیب تھے اور پورے برصغیر میں ان کے کام کو سراہا جاتا تھا۔ وہ کبھی کبھی تھیٹرز کیلئے گیتوں کی

موسیقی بھی ترتیب دیتے تھے۔آغا حشر نے بابا چشتی کو اپنے معاون کے طور پر رکھ لیا۔انہوں نے بابا چشتی کی تنخواہ 50 روپے ماہانہ مقرر کی۔آغا حشر کاشمیری سے متاثر ہوکر بابا چشتی نے فلمی موسیقی کی باریکیوں کو سمجھنا شروع کیا۔انہوں نے ریکارڈنگ کمپنی میں کام کرنا شروع کر دیا اور خود موسیقی ترتیب دینا شروع کر دی۔1947ء سے پہلے ان کی موسیقی پر جدن بائی اور امیر باقی کرناٹکی نے گیت گائے۔یہ بابا چشتی ہی تھے جو میڈم نور جہاں کو لاہور لے کر آئے۔ بابا چشتی نے سب سے پہلے 1936 میں فلم ''دین ودنیا'' کیلئے موسیقی دی۔ جب ایک دفعہ ان کے فن کو تسلیم کر لیا گیا تو پھر 1938ء میں انہیں فلم ''سوہنی مہینوال'' کا سنگیت مرتب کرنے کی پیشکش کی گئی۔اس سے پہلے 1936ء میں بھی اسی نام کی فلم ریلیز کی گئی تھی۔بعد میں بابا چشتی کے بارے میں یہ تسلیم کر لیا گیا کہ وہ اردو اور پنجابی دونوں زبانوں کی فلموں کیلئے بہترین دھنیں بناتے ہیں۔بابا چشتی نے بھارت کے مشہور موسیقار ظہور الحسن خیام کو بھی موسیقی کے اسرار ورموز سکھائے۔خیام آج بھی بابا چشتی کو اپنا استاد مانتے ہیں اور جب کبھی بابا چشتی کا ذکر آتا ہے تو وہ ان کو زبردست خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔بابا چشتی نے 1949 میں پاکستان آنے کا فیصلہ کیا۔پاکستان کی فلمی صنعت اس وقت نوزائیدہ تھی۔اس وقت اس صنعت کے پاس اتنے پیسے بھی نہیں تھے کہ بھارتی فلموں کا مقابلہ کیا جا سکے۔بابا چشتی نے پاکستانی فلمی صنعت کو بطور سنگت کار اپنی خدمات پیش کیں۔اس وقت موسیقی کی صنعت میں لائق افراد کی کمی تھی اس لیے انہیں 1949ء میں تین فلموں کی موسیقی ترتیب دینا پڑی۔ان کی ابتدائی تین فلمیں ''سچائی' مندری' اور پھیرے' ایک ساتھ بننا شروع ہوئیں۔ان کی فلم ''پھیرے'' سپرہٹ ثابت ہوئی جس سے ان کی شہرت میں بہت اضافہ ہوا۔کہا جاتا ہے کہ اس فلم کے چھ گانے ایک ہی دن لکھے گئے۔ان کی موسیقی ترتیب دی گئی اور پھر ان کی ریکارڈنگ کی گئی۔اس کے بعد 1955ء میں ان کی فلم ''پتن'' کے گیت سپرہٹ ہو گئے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ ''پتن'' کی ریلیز کے بعد بابا چشتی کی مقبولیت میں بہت اضافہ ہوا اور وہ فلمسازوں کی پہلی چوائس بن گئے۔ بابا چشتی نے پاکستانی فلمی صنعت کی ابتدائی فلموں کا میوزک دیا جو سپرہٹ ثابت ہوئیں۔ان میں ''پھیرے' سسی اور نوکر'' شامل ہیں۔اس کے بعد ان کی فلمیں ''دلا بھٹی'' اور ''یکے والی'' نے بھی یادگار کامیابی حاصل کی۔بابا چشتی نے میڈم نور جہاں کو 1935ء میں فلمی دنیا میں متعارف کرایا۔اس کے بعد انہوں نے زبیدہ خانم' سلیم رضا' نسیم بیگم' نذیر بیگم' مالا' مسعود رانا اور پرویز مہدی کو بھی گائیکی کے میدان میں مواقع دینے کیلئے اہم کردار ادا کیا۔بابا چشتی کی مشہور فلموں میں ''پھیرے' لارے' پتن' پینگاں' یکے والی' مٹی دیاں مورتاں' میراماہی' جگری یار' یار دیس پنجاب دے' اچی حویلی' ذیلدار' چن تارا'' اور کئی اور فلمیں بھی شامل ہیں۔1989ء میں انہیں تمغہ حسن کارکردگی سے نوازا گیا۔ہم ذیل میں ان کی موسیقی میں ترتیب دیئے گئے چند گیت قارئین کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔1-مینوں رب دی سوں (پھیرے) 2-کی کیتا تقدیرے (پھیرے) 3-ساڈا سجرا پیار (پتن) 4-چھڈ جاویں نہ چناں باں پھڑ کے (پتن) 5-تینوں بھل گیاں ساڈیاں چاہواں (پینگاں) 6-تیرے در تے آ کے سجناں وے (یکے والی) 7-ساڈی عجب کہانی اے (میراماہی) 8-سوچ کے یار بناویں بندیا (جگری یار) 9-دو دل اک دوجے کولوں (ذیلدار) 10-تک چن پیا جاندا ای (چن تارا) 25دسمبر 1994ء کو بابا چشتی کا 89 برس کی عمر میں لاہور میں انتقال ہو گیا۔***

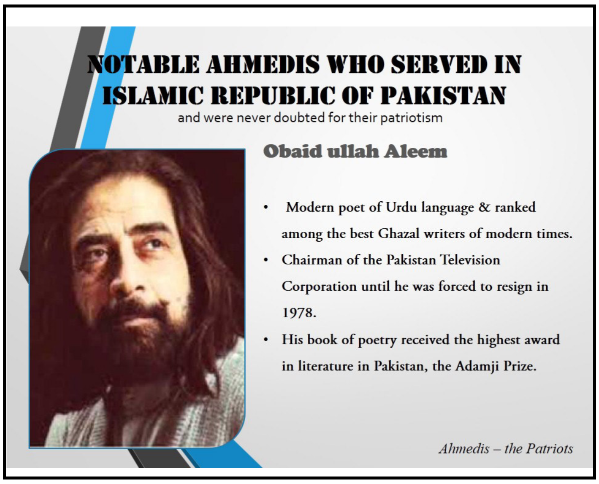

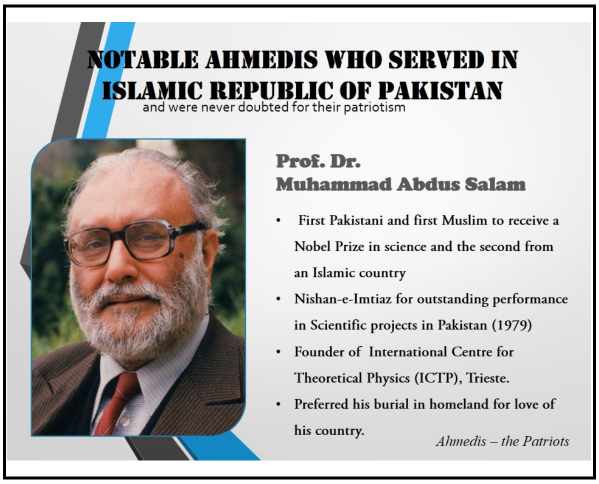

اقتدار؟ خاندانی وارث؟

نذیر ناجی

برصغیر کی جمہوریت میں خاندانی اقتدار کی ان گنت مثالیں موجود ہیں۔ بھارت میں نہرو خاندان‘ چالیس برس تک اقتدار پر فائز رہا۔ بنگلہ دیش میں شیخ مجیب الرحمن کا خاندان‘ آج تک برسر اقتدار ہے۔ ایک چھوٹے سے وقفے کے لئے فوج آئی۔ اس کے جاتے ہی‘ ان کی بیٹی برسر اقتدار آ گئی‘ جو آج تک ہے۔ پاکستان میں سیاست دان اور ڈکٹیٹر‘ سبھی اپنے خاندان کو اقتدار کی وراثت سنبھالنے کے لئے تیار کرتے چلے آ رہے ہیں۔ ایوب خان جیسے طاقتور ڈکٹیٹر بھی اپنا جانشین‘ گوہر ایوب کو نہ بنا سکے۔ میاں نواز شریف‘ پاکستان کے اقتدار کو خاندانی ورثے میں بدلنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ دیکھنا ہو گا وہ کہاں تک کامیاب رہتے ہیں؟ پاکستانی عوام اسی کوشش کا انجام دیکھنے کے منتظر ہیں۔ اسی تناظر میں‘ سینئر صحافی کلدیپ نیئر کا حال ہی میں شائع ہونے والا ایک تجزیہ پیش خدمت ہے۔ کانگرس کے نائب صدر کا یہ کہنا درست نہیں کہ پورے ہندوستان پر مختلف خاندانوں کا اقتدار چل رہا ہے۔ حکومت کا مطلب ہے‘ مرکز میں اختیارات پر قبضہ۔ صرف جواہر لعل نہرو کے خاندان کو ایسا کرنے کا موقع ملا تھا۔ نہرو نے 17 سال‘ ان کی بیٹی‘ اندرا گاندھی نے 16 سال جبکہ اندرا گاندھی کے بیٹے‘ راجیو گاندھی نے 5 سال حکومت کی۔ اس طرح یہ خاندان مرکز میں قریباً 40 سال تک برسر اقتدار رہا یعنی 1947ء میں ملک کی آزادی سے‘ اب تک کی مدت کے نصف حصے پر۔ نہرو نے اس بات کا خیال رکھا کہ ان کی بیٹی اگر ان کے اقتدار کے فوراً بعد نہیں تو کوئی بھی وقت آنے پر‘ زمام حکومت سنبھال لیں۔ اس زمانہ میں وزیر داخلہ لال بہادر شاستری کے افسر اطلاعات کی حیثیت سے کام کرنے کے دوران‘ خصوصاً جب نہرو کو دل کا دورہ پڑا تو میں نے ان سے تیار ہو جانے کے لئے کہا۔ شاستری مجھ سے کہنے لگے کہ ان کے من میں تو ان کی سپتری (بیٹی) ہے۔ یہ کام آسان نہیں ہے۔ وہ پنڈت جی کو چیلنج نہیں کریں گے اور الہٰ آباد واپس چلے جائیں گے۔ نہرو کی موت کے بعد یہی ہوا۔ کانگرس صدر کے کامراج‘‘ نہرو کے گہرے معتقد تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ وہ شخص‘ جسے انہوں نے دریافت کیا ہو‘ ایسی چابی کا کام کرے جس سے کئی تالے کھل جائیں۔ جنوبی ہند سے سنجیوا ریڈی‘ کلکتہ سے اتلیہ گھوش‘ بمبئی سے ایس کے پاٹل‘ بزعم خود بڑے طاقتور اور رعب دار لوگ تھے لیکن وہ سب شاستری کو قبول کرنے پر‘ اس لئے آمادہ تھے کہ انہیں یہ تاثر دینے کے لئے کہ وہ برابر کے نہیں ہیں‘ انہوں نے خود کو آگے نہیں بڑھایا۔ میں انڈین ایکسپریس‘‘ میں سیاسی رپورٹر کے طور پر کام کر رہا تھا۔ اس وقت میں نے لکھا تھا جنوبی ہند کے مندروں والے شہر‘ ترویتی میں 1963ء کی گرمی کی رات میں‘ پانچ افراد وسیع و عریض وادی کے اوپر واقع‘ خاموش بنگلے تک پہنچنے کا راستہ تلاش کر رہے تھے۔ ان میں سے ایک صاحب بد وضع اور بھاری جسم کے تھے۔ دوسرے لحیم و شحیم‘ تیسرے پھرتیلے اور زندہ دل‘ چوتھے معمولی قدو قامت کے تھے تو پانچویں صاحب‘ کسرت کرنے والے پہلوان لگتے تھے۔ وہ پانچوں الگ الگ سمتوں سے آئے تھے تا کہ پہچانے نہ جا سکیں اور اس میں وہ کامیاب بھی رہے۔ سڑکیں تقریباً سنسان تھیں۔ بیشتر افراد صبح سویرے مندر کے گھنٹے کی آواز پر‘ بیدار ہونے سے پہلے پوری طرح سو چکے تھے‘‘۔

شاستری کی موت کے بعد‘ اقتدار نہرو خاندان میں واپس آ گیا۔ تاہم عدم رواداری کا ماحول پیدا کرنے کے لئے‘ نریندر مودی پر تنقید کرنے میں راہول گاندھی حق بجانب ہیں۔ ملک کے 17 کروڑ مسلمان‘‘ گویا کسی شمار و قطار میں ہی نہیں۔ نہ ہی ان پر عوام کی کوئی توجہ ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ انہوں نے خود اپنے ہی ملک میں‘ دوسرے نمبر کے شہری کی حیثیت کو تسلیم کر لیا ہے۔ دوسری جانب ہندوؤں نے مجموعی طور پر ملک کی تقسیم کے لئے‘ مسلمانوں کو معاف نہیں کیا۔ آج بھی ہندوستان اور پاکستان کے درمیان کشیدگی ہونے پر‘ مسلمانوں کو شک کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ بصورت دیگر بھی گندی بستیوں والے علاقوں میں‘ انہیں الگ تھلگ رہنے کے لئے چھوڑ دیا جاتا ہے۔ روزگار کے اعتبار سے ان کی گنتی انگلیوں پر کی جا سکتی ہے۔ مسابقتی امتحانات میں چند افراد ہی آ سکتے ہیں۔ سچر کمیٹی کی رپورٹ میں‘ ان کی دلتوں سے‘ بدتر حالت کا ذکر کیا گیا ہے۔ ہندوؤں نے انہیں افلاس کی دلدل سے نکالنا ہے لیکن انہیں بے بسی کے دوزخ کی نذر ہونے دیا جاتا ہے۔ مذہب کی بنیاد پر ملک کی تقسیم نے‘ ایک ایسی لکیر کھینچ دی ہے جس کی وجہ سے‘ ہندوستان کے مسلمانوں کو سب

سے زیادہ نقصان اٹھانا پڑا اور آج بھی ان سے مذہب کی بنیاد پر تعصب برتا جاتا ہے۔ ملی جلی آبادی والی کالونیاں اب معدوم ہوتی جا رہی ہے۔ مسلمانوں کو اپنے لوگوں کے درمیان محفوظ ہونے کا احساس ہوتا ہے۔ وزیر اعظم نریندر مودی کے برسر اقتدار آنے سے دونوں قوموں کے درمیان خلیج بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ آر ایس ایس کے کارکن اس بات کا خاص خیال رکھتے ہیں کہ پبلک سیکٹر میں کسی مسلمان کو کوئی اہم عہدہ نہ ملنے پائے۔ مجھے یاد ہے کہ سری نگر ہوائی اڈہ پہنچانے والے ایک مسلم انجینئر نے شکایت کی کہ وہ ملازمت کی تلاش میں بنگلور گیا تو اس کی اسناد معلوم ہونے پر اسے یکسر مسترد کر دیا گیا۔

افسوس اس بات کا ہے کہ کانگرس بے معنی ہو چکی ہے۔ ورنہ وہ ملک کو سیکولر پلیٹ فارم فراہم کر سکتی تھی۔ راہول گاندھی کو شدت سے احساس ہو رہا ہوگا کہ ان کی پارٹی کو ایک بار پھر بنیادی سطح پر محنت کرنا ہوگی۔ عوام کے مزاج میں تبدیلی لانے کی ضرورت ہوگی۔ ہندوستان نے ایک جمہوری اور سیکولر ملک بننے کی لڑائی لڑی ہے۔ مہاتما گاندھی اور جواہر لعل نہرو دونوں نے عوام کو ان کے ورثے کی یاد دہانی کرائی تھی، جس میں ہندو اور مسلمان دونوں شریک تھے۔ در حقیقت حیرت اس پر ہے کہ نہرو کا نام مٹایا جا رہا ہے۔ اعتدال پسند بی جے پی لیڈر اٹل بہاری واجپائی نہرو کے سچے معتقد تھے۔ ایک بار جب واجپائی وزیر اعظم تھے اس وقت میں ممبر پارلیمنٹ تھا، تو ان سے ایک ملاقات کی۔ انہوں نے بڑے فخر سے کہا تھا کہ میں اسی کرسی پر بیٹھا ہوں جس پر کبھی نہرو بیٹھے تھے"۔ لیکن آج تو بی جے پی نہرو میموریل سنٹر سے نہرو کا نام ہٹانے کی کوشش کر رہی ہے۔ بعض دانشور اس منصوبے کو روکنے کی کوشش کر رہے ہیں لیکن معاملہ وزیر اعظم کے دفتر (پی ایم او) پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ عوام کو یاد رکھنا چاہئے کہ نہرو ان قد آور شخصیتوں میں سے تھے جنہوں نے برطانوی سامراج کو دیس نکالا دینے کے لئے اپنا سب کچھ لٹا دیا۔ وہ کئی بار جیل گئے لیکن ملک کی آزادی کے لئے ان کا جذبہ سرد نہیں پڑا۔ ان کے پرنواسے راہول گاندھی کو ان کی زندگی سے سبق حاصل کرتے ہوئے خاندانی اقتدار کی بقا کے لئے نہیں بلکہ ملک میں ڈیموکریسی اور سیکولرازم کی اقدار کے تحفظ کے لئے جدوجہد کرنی چاہئے۔ عوام کانگرس کو ایک بار پھر بامعنی بنا دیں گے؟۔ اہم چیز ہے ورثہ، متحد جمہوری اور ڈیموکریٹک ورثہ"۔

***

نئے سعودی قوانین!

سعودی قوانین میں کی جانے والی تبدیلیاں

- گردن کاٹنے کی سزا معطل اور تا حکم ثانی رہے گی۔
- سعودیہ میں رہنے والے ہر غیر ملکی کو ٹیکس لازمی دینا ہوگا۔
- عورتوں کے کالج اور یونیورسٹیوں میں مرد اجنبیوں کا داخلہ بند اطلاق 10/10/1439 سے ہوگا۔
- سعودی عرب نے عورتوں کو گاڑی چلانے کی اجازت دے دی ہے۔ جس کی وجہ سے 20 لاکھ سے زیادہ ہاؤس ڈرائیورز واپس چلے جائیں گئے۔ سعودی بادشاہ نے حکم نامہ پر دستخط کر دیے۔
- عورتیں نقاب کریں یا نہ کریں ان کا اپنا فیصلہ ہوگا مگر عبایا لازمی ہوگا۔
- سپر مارکیٹ پر کوئی اجنبی نہیں بلکہ صرف سعودی شہری ہی کام کر سکیں گے۔
- 5000 ریال سے کم تنخواہ لینے والے اجنبی کو ڈرائیوئنگ لائیسنس نہیں ملے گا اطلاق 10/10/1439 سے ہوگا۔
- ٹیکس 2018 سے قابل عمل ہوگا پہلے سال 100 ریال ہر مہینے 2019 میں 200 ریال ہر مہینے 2020 میں 400 ریال ہر مہینے لاگو ہوگا۔
- کفیل اپنے اجیر کا پاسپورٹ اپنے پاس نہیں رکھ سکیں گے۔
- 2018 سے چھٹی ایئر پورٹ پر ہی لگا کرے گی۔
- 2018 سے سعودی عرب اسلامی کیلینڈر سے انگریزی کیلینڈر پر منتقل ہو جائے گا۔

ہم میں اور مغرب میں کیا فرق ہے؟؟؟

رجل خوشاب

ہمارے ہاں امام ضامن ہوتا ہے۔انکے ہاں نظام ضامن ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں سائیں ہوتے ہیں۔انکے ہاں سائنس ہوتی ہے۔انکے ہاں تحقیق ہوتی ہے۔ہمارے ہاں تضحیک ہوتی ہے۔ان کے ہاں بجلی ہوتی ہے۔ہمارے ہاں کھجلی ہوتی ہے۔انکے ہاں سوچ ہوتی ہے۔ہمارے ہاں ایک دوسرے کی کھوج ہوتی ہے۔انکے ہاں لوگ کام،عبادت کی طرح کرتے ہیں۔ہمارے ہاں لوگ عبادت بھی سرکاری کام کی طرح کرتے ہیں۔وہ لوگ جفاکش ہوتے ہیں۔ہم لوگ وفاکش ہوتے ہیں۔

وہ لوگ وطن سے محبت کرتے ہیں۔ہم لوگ وطن کی تجارت کرتے ہیں۔ہمارے ہاں تعداد ہوتی ہے۔انکے ہاں استعداد ہوتی ہے۔انکے پاس ہراک مسلے کا حل ہوتا ہے۔ہمارے پاس ہرحل کے لیئے ایک مسلہ ہوتا ہے۔وہ شجرکاری کرتے ہیں۔ہم کاروکاری کرتے ہیں۔انکے وزیرِاعظم کا گھر کسی ایک گلی میں ہوتا ہے۔ہمارے وزیرِاعظم کے گھر میں کئی گلیاں ہوتی ہیں۔وہ کائنات کوتسخیر کررہے ہیں۔ہم کائنات کو بےتوقیر کررہے ہیں۔انکا ایٹم بم لوگوں کی حفاظت کررہا ہے۔ہمارے لوگ ایٹم بم کی حفاظت کررہے ہیں۔وہ تدبر کرتے ہیں۔ہم تکبر کرتے ہیں۔

سرداری کا راز

چین کے مفکر فطرت کو''تاؤ'' کہتے ہیں اوران کی ساری عمراسی فطرت کے اصولوں کے مطابق گزارنے میں گزرجاتی ہے۔چینی قوم میں دانائی سر فہرست مانی جاتی ہے۔بزرگ چینی کہا کرتے تھے۔آخرمیں جس چیزکوسکیڑنا ہو،اسے پہلے بڑھانا پڑتا ہے۔جس چیزکوکمزورکرنا ہو۔اسے پہلے مضبوط بنانا ہوگا۔جس چیزکوختم کرنا ہوگا،اسے پہلے قائم کرنا ہوگا۔جوشخص کچھ لینا چاہتا ہے،اسے پہلے ہاتھ سے کچھ نہ کچھ دینا پڑے گا۔جولوگ یہ کلیہ نہیں جانتے سمجھے ان کی بصیرت میں کمی ہے۔اسی ناسمجھی کی وجہ سے نرمی پرسختی غالب آجاتی ہے اور کمزور پرطاقت غلبہ پاجاتی ہے۔اسی لئے کہا جاتا ہے کہ مچھلیوں کووہیں رہنے دیجئے جہاں وہ ہیں اور ملک کے اسلحہ کو وہاں رکھئے جہاں کسی کی نظر نہ پڑے۔پانی کو دیکھئے اس کائنات میں کمزور کی طاقتوری کا بہترین مظہر ہے۔پانی کاایک ایک قطرہ بڑی نرمی،بڑی آہستگی سے ٹپکتارہتا ہےاور چٹان جیسی سخت چیز میں سوراخ کردیتا ہے۔

چینی مفکر لاؤ ترنے کہا

''بڑے بڑے دریاؤں اور اتھاہ سمندروں نے سینکڑوں چھوٹے چھوٹے ندی نالوں پر یہ سرداری،یہ بادشاہت کیسے حاصل کی؟اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ بڑے بڑے دریاؤں اوراتھاہ سمندروں نے چھوٹے ندی نالوں کی نسبت زیادہ نیچی جگہ ڈھونڈی اور یہی ان کی سرداری کا راز ہے''۔ دوستو!صلح جوئی اور خاکساری میں بےپناہ قوت پوشیدہ ہے۔سچے دل سے سوچیے۔۔آج یہی فطری کمی ہرطرف افراتفری پیدا کررہی ہے۔

بیربل اور آج کا وزیر!

سنا ہے کہ بیربل اپنے وقت کا بہترین وزیر تھااور بادشاہِ وقت کواس پر پورا بھروسہ ہوتا تھااور جوکام دوسروں سے نہیں ہوتا تھا وہ بیربل لمحوں میں کرگزرتا تھا اس کے بعد بادشاہوں کوایساوزیرمیسرنہیں ہوا۔مگر اس دور میں پاکستان کے بادشاہ کوایک ایسا وزیرمل گیا جس پراس وقت کے بادشاہ کوبیربل جیسا اعتماد ہےاس کاایک واقعہ پڑھ اورسن لیں توخودسمجھ جائیں گے۔ایک گاؤں میں شیرآگیااورقریبی جنگل میں قیام پذیرہوگیا پھروہ روزآتا اورایک بندہ کوکھا جاتا گاؤں والوں کا خوف سے براحال تھا کہ نجانے کب ان کی باری آجائے بہرحال بات ملک کے بادشاہ(صدر)تک پہنچی اس نے اپنے نہایت ذہین اور چالاک وزیرکومشن دےکرروانہ کیا۔وزیر 500 مزدور لےکرگاؤں پہنچ گیااورگاؤں میں ایک بہت بڑالوہے کا پنجرہ بنوایا جب پنجرہ بن کرتیارہوگیا توگاؤں والوں نے اس وزیرکو بہت دعائیں دیں اورسکھ کا سانس لیا کہ اب شیرپکڑا جائے گا،مگر...یہ کیا وزیر نے سب گاؤں والوں کو اس پنجرے میں بندکردیا کہ اب شیرکسی کونہیں کھائے گا..سمجھ گئے آپ کہ وہ موصوف کون ہیں۔جی جناب یہ ہیں رحمان ملک...دیدہ دانستہ عوام کو پریشان کرناان کا فرض ہے۔آپ کیا کہتے ہیں؟؟؟؟؟

مسلمان سب کافر ہیں

ثقلین مبارک آسٹریلیا

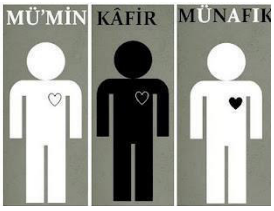

انڈیا پاکستان کی تقسیم سے پہلے پنجاب کے دل لاہور سے ’’پرتاب‘‘ نام کا ایک اخبار نکلا کرتا تھا! جو کہ پرتاب نام کے ایک ہندو کا تھا! وہی اس کا مالک بھی تھا اور چیف ایڈیٹر بھی !ایک دن پرتاب نے سُرخی لگا دی !مسلمان سارے کافر ہیں۔

لاہور میں تہلکہ مچ گیا، پرتاب کے دفتر کے باہر لوگوں کا ہجوم اکٹھا ہوگیا جو مرنے مارنے پر تیار تھا،، نقصِ امن کے خطرے کے پیش نظر انگریز کمشنر نے پولیس طلب کر لی! مجمعے کو یقین دلایا گیا کہ انصاف ہوگا اور مجرم کو قرار واقعی سزا دی جائے گی! تمام مکاتب فکر کی مشترکہ کمیٹی کے پچاس آدمیوں کی مدعیت میں پرچا کٹوا دیا گیا!

چالان پیش کیا گیا اور مجسٹریٹ نے جو کہ انگریز ہی تھا، پرتاب سے پوچھا یہ اخبار آپ کا ہے؟،، جی میرا ہے! اس میں جو یہ خبر چھپی ہے کہ مسلمان سارے کافر ہیں آپ کے علم اور اجازت سے چھپی ہے؟ جی بالکل میں ہی اس اخبار کا مالک اور چیف ایڈیٹر ہوں تو میرے علم و اجازت کے بغیر کیسے چھپ سکتی ہے! آپ اپنے جرم کا اعتراف کرتے ہیں...؟ جی جب یہ جرم ہے ہی نہیں تو میں اس کا اعتراف کیسے کر سکتا ہوں،، مجھے تو خود مسلمانوں نے ہی بتایا ہے جو میں نے چھاپ دیا ہے! صبح ہوتی ہے تو یہ لوگ سپیکر کھول کر شروع ہوتے ہیں کہ سامنے والی مسجد والے کافر ہیں،، وہ ظہر کے بعد شروع ہوتے ہیں تو عشاء تک ہمیں یقین دلاتے ہیں کہ فلاں مسجد والے کافر ہیں اور اتنی قطعی دلیلیں دیتے ہیں کہ میں تو قائل ہو گیا کہ یہ واقعی کافر ہیں اور مجھے یقین ہے کہ عدالت بھی یقین کرنے پر مجبور ہو جائے گی بس اگلی تاریخ پر فلاں فلاں محلے کے فلاں فلاں مولوی صاحبان کو بھی بلا لیا جائے اور جن 50 آدمیوں کی مدعیت میں پرچا کاٹا گیا ہے انہیں بھی اگلی پیشی پہ بلا لیا جائے تو معاملہ ایک ہی تاریخ میں حل ہو جائے گا !اگلی پیشی پر تمام متعلقہ مولویوں کو جو کہ صبح شام دوسرے فرقے کے لوگوں کو مدلل طور پر کافر قرار دیتے تھے اور پرتاب نے جن کا نام دیا تھا،، باری باری کٹھرے میں طلب کیا گیا! مجمعے میں سے تمام افراد کو کہا گیا کہ دیوبندی، اہل حدیث اور بریلوی الگ الگ کھڑے ہوں! بریلوی مولوی سے قرآن ہر حلف لیا گیا، جس کے بعد پرتاب کے وکیل نے اس سے پوچھا کہ دیوبندوں اور اہل حدیثوں کے بارے میں وہ قرآن و سنت کی روشنی میں کیا کہے گا؟ مولوی نے کہا کہ یہ دونوں توہینِ رسالت کے مرتکب اور بدترین کافر ہیں! پھر اس نے دیوبندیوں اور اہلِ حدیثوں کے بزرگوں کے اقوال کا حوالہ دیا اور چند احادیث اور آیات سے ان کو کافر ثابت کر کے فارغ ہو گیا۔

جج نے پرتاب کے وکیل کے کہنے پر اہل حدیثوں اور دیوبندیوں سے کہا کہ وہ باہر تشریف لے جائیں ! اس کے بعد دیوبندی اور اہلِ حدیث مولویوں کو یکے بعد دیگرے حلف لے کر گواہی کے لئے کہا گیا، دونوں نے بریلویوں کو مشرک ثابت کیا اور پھر شرک کے بارے میں قرآنی آیات اور احادیث کا حوالہ دیا! گواہی کے بعد مجسٹریٹ نے بریلویوں کو بھی عدالت سے باہر بھیج دیا! اس کے بعد پرتاب کے وکیل نے کہا کہ مجسٹریٹ صاحب اپ نے خود سن لیا کہ یہ سب ایک دوسرے کو کافر سمجھتے اور ببانگ دہل کہتے بھی ہیں اور کافر ہو کر عدالت سے نکل بھی گئے ہیں اب عدالت میں جو لوگ بچتے ہیں ان میں سے مدعیوں کے وکیل صاحب بھی ان تینوں فرقوں میں سے کسی ایک فرقے کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں،، لہذا یہ بھی کافروں میں سے ہی ہیں ! باقی جو مسلمان بچا ہے اسے طلب کر لیجئے تا کہ کیس آگے چلے! مجسٹریٹ نے کیس خارج کر دیا اور...... پرتاب کو بری کر دیا نیز پرتاب اخبار کو دوبارہ بحال کر دیا!۔ ***

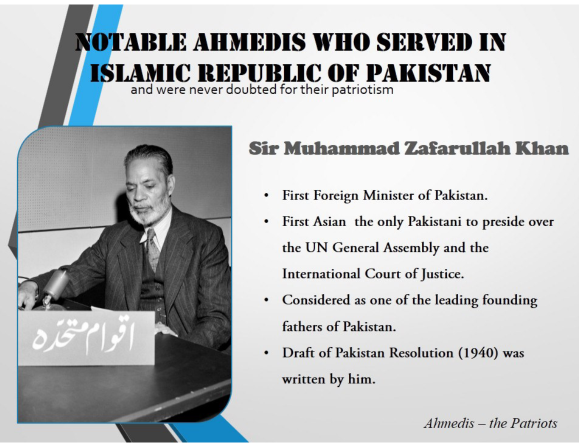

اژدھے

عاصی صحرائی

2012 پیپلز پارٹی حکومت نے لوڈشیڈنگ سے نپٹنے کے لیے 12 مختلف اقسام کے رینٹل معاہدے کیے۔ یہ عارضی بندوبست کرائے پر کیا گیا۔ راجہ پرویز اشرف نے زرداری کی ہدایت اور آشیرباد سے دنیا بھر سے مہنگے معاہدے کیے۔ ایسا ہی ایک معاہدہ ترکی کی کمپنی کارکے سے کیا گیا۔ ترکش کمپنی نے کراچی ساحل سمندر پر جہاز پہ کھڑے پاور پلانٹ سے 231 میگاواٹ بجلی دینی تھی۔ کمپنی کو 9 ملین ایڈوانس دے دیا گیا لیکن کمپنی نے 30 سے 55 میگاواٹ بجلی پیدا کری اور فی یونٹ 41 روپے میں پڑنے لگا۔۔ پ پی حکومت جانتی تھی کہ کمپنی اتنی ہی بجلی پیدا کرسکتی ہے لیکن اربوں ڈکارنے کے لیے گیم فکس کی گئی۔ فیصل صالح حیات سپریم کورٹ چلے گئے۔ نیب نے راجہ پرویز اشرف کے خلاف کیس رجسٹر کرلیا۔ کارکے کمپنی 17 ملین جرمانہ دینے پر تیار ہوگئی لیکن چیف جسٹس نے 120 ملین کی پنالٹی لگائی۔ پپی حکومت اور کمپنی کا مل کر خزانہ لوٹنے کا پلان تھا۔ حکومت نے جان بوجھ کر کیس لٹکایا اور کمپنی کا جہاز 16 مہینے کراچی بندرگاہ پر کھڑا رہا۔

2013 میں حکومت بدل گئی۔ کارکے کمپنی اقوام متحدہ کی بین الاقوامی سرمایہ کاری کے تحفظ ICSIJ کے پاس 16 ماہ جہاز کو بندرگاہ پر کھڑا کرنے کا مقدمہ لیکر چلی گئی۔ یہ مقدمہ زرداری اور کمپنی کی پلاننگ سے بنا تھا۔ خواجہ آصف نے برطانوی لا فرم Overy Allen ہائر کرلی یہ وزراء اور مشراء کا وفد لیکر لندن اور امریکہ مقدمے کی پیروی کے لیے جانے لگے۔ پاکستان نے فرم کو 400 ملین فیس اور کروڑوں دوروں پر اڑا دیے۔ 2015 جب کیس اہم موڑ پہ تھا کارکے کمپنی نے عالمی عدالت سے باہر سیٹلمنٹ کی درخواست کری جسے خواجہ آصف نے رد کردیا اور اسی سال قانونی فرم نے پاکستان سے فیس نہ ملنے کی وجہ سے اہم پیشیاں اٹینڈ ہی نہ کیں۔ 2016 میں عالمی عدالت نے پاکستان کے خلاف اور ترکش کمپنی کے حق میں فیصلہ سنا دیا۔ حکومت پاکستان کو جرمانہ کی رقم مکمل حساب کتاب کے ساتھ بعد میں بتانے کا کہا گیا۔ مبارک ہو پاکستانیو عالمی عدالت نے 74 ارب روپیہ کمپنی کا جہاز 16 ماہ روکنے کی پاداش میں پاکستان پر جرمانہ کیا ہے۔ جسے ہر صورت ادا کرنا پڑے گا۔ بجلی کی قیمت میں 3 روپے 90 پیسے کا اضافہ اسی ادائیگی کے لیے کیا گیا ہے۔ میں اکثر سوچتا ہوں یہ ملک پاکستان کن غداروں کے ہتھے چڑھ گیا ہے۔ زرداری نے کمانے کے لیے معاہدہ کیا ان حکومت نے کما کر دیا۔ ترکش کمپنی جرمانہ دینے کی بجائے مالا مال ہوگئی۔ ہم پاکستانی اپنی بربادی کے لیے 5 سال بھٹو کو قبر سے نکال لاتے ہیں تو اگلے 5 سال شیر جیسے جانور کو سر پہ سوار کر لیتے ہیں۔ نہ حکمران سدھرتے ہیں اور نہ ہی ہم عوام۔

ادبی موشگافیاں

خاموشی اچھی غذا ہے

ڈاکٹر عائض القرنی

بحرالکاہل میں ایک ملاح بھٹک گیا اور 21 دن تک اسے راستہ نہیں ملا۔ اس کے بعد جب اسے نجات ملی تو لوگوں نے اس سے پوچھا کہ اس نے سب سے بڑا سبق کیا سیکھا؟ بولا میں نے اس تجربہ سے سب سے بڑا سبق یہ سیکھا ہے کہ اگر آپ کے پاس صاف پانی اور پیٹ بھرنے کیلئے کھانا ہے تو آپ کبھی شکستہ دل نہ ہوں! ایک کا قول ہے کہ پوری زندگی ایک لقمہ روٹی اور ایک گھونٹ پانی ہے اور باقی جو کچھ ہے وہ فضول ہے۔ ابن الوردی کہتا ہے: کسریٰ کی بادشاہت بھی ایک لقمہ سے بے نیاز نہیں کر سکتی۔ جناتھن سویفٹ کہتا ہے دنیا میں سب سے بڑے ڈاکٹر یہ ہیں۔ ڈاکٹر رحم، ڈاکٹر سکون، ڈاکٹر خوشی، خوشی و مسرت کے ساتھ تھوڑا کھانا ایسا کامیاب علاج ہے جس کا کوئی نعم البدل نہیں۔ میں اضافہ کرتے ہوئے کہتا ہوں کہ موٹاپا ایک مزمن مرض ہے۔ تو ندآدمی کی ذہانت اور مسرت کو کھا جاتی ہے۔ خاموشی دل و روح کو آرام دیتی ہے خوش رہنے سے سرور ملتا ہے اور یہ اچھی غذا بھی ہے۔

آلاتِ غناء پطرس جب ولایت سے انگریزی ادب پڑھ کر انڈیا واپس آئے تو پہلی نوکری آل انڈیا ریڈیو پر ملی۔ پطرس کلاسیکی موسیقی کے پروگرام کرواتے تھے۔ پطرس کے پروگرام کے خاتمے کے بعد مولانا احتشام الحق تھانوی کا درس قرآن ہوتا تھا۔ ایک دن مولانا سٹوڈیو پہنچے تو موسیقی کا پروگرام ختم ہو چکا تھا لیکن ساز سٹوڈیو میں ہی رکھے تھے اور پطرس بھی وہیں کھڑے تھے......مولانا سازوں کو دیکھتے ہی تپ گئے اور فرمایا......''لاحول ولاقوہ! ''آلات غنا'' کی موجودگی میں درس قرآن کیسے ہوسکتا ہے؟'' پطرس سے نہ رہا گیا اور بولے۔''مولانا..'' آلات زنا''..آپکے ساتھ لگے ہیں۔ اگر ان کی موجودگی میں درس قرآن ہوسکتا ہے تو'' آلات غنا'' کی موجودگی میں کیوں نہیں؟''

***

آنسو

راجہ خادم حسین عاصم

اے آنسو کے قطرے تو کبھی بے کار پانی کی طرح چُپ چاپ بہہ جاتا ہے۔اس وقت تجھے کوئی نہیں دیکھتا۔کبھی تیری قدر و منزلت بہترین موتیوں سے بھی بڑھ جاتی ہے۔اور لوگ تجھ پر اپنی جان فدا کرنے کو اپنی خوش قسمتی تصور کرتے ہیں۔کبھی تجھے دیکھ کر ان کا دل خوف سے لرز جاتا ہے کبھی تو دنیا کی بہترین دولت بن جاتا ہے۔اور کبھی مہلک ترین زہر۔اے آنسو تجھے پانی میں آگ لگانے کا ہنر کس نے سکھایا؟ لیکن تو ایسا پانی ہے جو بس اوقات آگ کو بھڑکا دیتا ہے۔تو جن سرخ انگار نما رخسار پر بہتا ہے ان انگاروں پر تیرا کوئی اثر نہیں ہوتا لیکن دیکھنے والے کے دل میں آگ کی آنچ اور زیادہ تیز ہوجاتی ہے۔کبھی تو بے چینی، اضطراب خلش، درد اور چبھن پیدا کرتا ہے اور کبھی تو خوشی سے لبریز ہوتا ہے اور جب تو خدا کے حضور پیش ہوتا ہے تو تجھے دیکھ کر عرش عظیم بھی متزلزل ہوجاتا ہے۔

کنہیالال کپور

”ہمارے تیسرے کرم فرما کسی سکول میں مدرس ہیں آپ کو تکیہ کلامیں پوچھتا ہوں آپ کے پاس یہ چیز ہے؟ چنانچہ آپ بجائے بازار ڈاک خانہ یا ہسپتال جانے کے وقتاً فوقتاً ہمارے پاس تشریف لے آتے ہیں اور میں کہتا ہوں آپ کے پاس گولی کونین کی ہے؟ ایک آنے کا ٹکٹ ہے؟ پرسوں کا اخبار ہے؟ پچھلے سال کا کیلنڈر ہے؟ اس سال کی جنتری ہے؟ پریم چندکی کہانیوں کا مجموعہ ہے اقبال کے اشعار کا انتخاب ہے؟ وغیرہ وغیرہ سوالوں سے ہمارا ناک میں دم کرتے ہیں۔ایک دن نہایت گھبرائی ہوئی آواز میں پوچھنے لگے میں پوچھتا ہوں آپ کے پاس ادب لطیفہ کا سوال نامہ ہے؟ میں نے کہاں کیوں؟ اس کی ضرورت پیش آئی کہنے لگے یونہی کچھ نہیں۔اس میں سے ہارلکس کا اشتہار پڑھنا تھا۔

عبدالمجید سالک

ابھی مشن کالج ڈگری کالج نہیں بنا تھا۔نیگسن صاحب پرنسپل تھے۔ انہوں نے نے شاہ صاحب نے کہا کہ کالھ کیوقت سپہلے مجھے عربی پڑھا دیا کیجئے۔شاہ صاحب ان کو عربی پڑھانے لگے۔ چند ابتدائی سبق کے بعد انجیل پڑھانے لگے۔صاحب بڑا لطیفہ باز تھا پڑھتے پڑھتے کہیں اذان کا لفظ آ گیا تو بولا مولوی صاحب ایک بات پوچھتا ہوں۔خفا نہ ہونا۔یہ کیا بات ہے کہ آپ کے خدا کو جب تک پانچ بار نہ پکارا جائے وہ سنتا نہیں۔شاہ صاحب نے کہا جی ہاں ہمارا ایسا نہیں کہ ہر آٹھویں دن ٹن ٹن کی آواز سُن کر خوش ہوجائے۔

مجبوری

ایک مسافر کسی گاؤں میں رات گذارنے کی غرض سے مسجد میں ٹھہرا۔ اُس نے محراب میں ایک حُقہ دیکھا۔مسافر بڑا حیران ہوا۔اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔آخر ایک دیہاتی سے پوچھ بیٹھا۔حقہ کا یہاں محراب میں کیا مصرف ہے؟ دیہاتی نے جواب دیا”ہمارے مولوی صاحب کبھی کبھی پیا کرتے ہیں۔مسافر نے اور زیادہ حیران ہوتے ہوئے پوچھا”وہ کیوں“ جی وہ پیتے تو چرس ہیں مگر جب چرس نہ ملے تو حقّے کا کش لگا لیتے ہیں۔“دیہاتی نے سلسلہ کلام جاری رکھا۔”دراصل وہ عادی تو شراب کے ہیں چرس کے نہیں۔“ مسافر نے کہا یعنی مولوی صاحب شراب بھی پیتے ہیں۔نہایت واہیات ہیں تمہارے مولوی صاحب دیہاتی نے مسافر کو غصے میں دیکھا۔تو وہ بڑی نرمی سے بولا”آپ کو شراب کی ضرت ہوتی ہے اور مولوی صاحب اتنی رقم کے روز متحمل نہیں ہو سکتے اس لئے وہ شراب اس وقت پیتے ہیں جب انہیں جوا کھیلتے ہوئے کافی رقم مل جائے۔“ کیا تمہارے مولوی صاحب جوا بھی کھیلتے ہیں مسافر مشتعل ہوا۔تم ایسے ذلیل انسان کواقتدا کے لئے کھڑا ہی کس لئے کرتے ہو۔دیہاتی نے مسکرا کر مختصر سا جواب دیا”جناب مجبوری ہے اگر پیچھے کھڑا کریں تو مولوی صاحب جوتے اٹھا کر بھاگ جاتے ہیں۔“

محشر جی کی جدید لغت

شادی: وہ سنہری پنجرہ ہے جس میں انسان بڑی آرزوں کے ساتھ داخل ہوتے ہیں باہر نکلنے کے کوشش شروع کر دیتے ہیں۔

شرافت: لوگوں کا سہارا جو طاقت وروں کیلئے غیر ضروری ہے۔

شرم: بزدلی کا دوسرا نام جس کے باعث چلو بھر پانی میں غوطہ زنی کی

جاسکتی ہے۔

پرفیکٹ: جو ہر ساتھی طالب علم پر رعب جھاڑنا اپنا پیدائشی حق سمجھتا ہے۔

رکشا: وہ سواری جو ہاضمون سے بے نیاز کر دیتی ہے۔

چمچہ: ایسے طالب علم کا خطاب جو استاد کا فرمانبردار ہوا۔

حجامت: پہلے صرف حجام کی دوکان پر ہوتی تھی اب ہر دوکان پر ہر جاتی ہے۔

خادم: ووٹوں کا طلب گار۔رزلٹ کارڈ: نامہ اعمال موردِقہرجلال پدری۔

سائیکل: اگر کرایہ کی ہو تو کم خرچ بالانشیں سواری ہے۔

سائیکل اسٹینڈ جہاں سائکلیں غسل آفتابی کرتی ہوئی دم توڑ جاتی ہیں۔

کمپارٹمنٹ: آسان قسطوں میں سند حاصل کرنے کا واحد ذریعہ۔

اختلاج: مشکل پرچے کا ردِّعمل۔

ایڈیٹر: وہ بدنصیب شخص جس پر دوسرے لوگ رشک بھی کرتے ہیں اور تنقید کے نشتر بھی چبھوتے ہیں۔جسے شاباش کم اور جھڑکیاں زیادہ ملتی ہیں۔

دفتر: گپیں ہانکنے کا مرکز۔

قانون: مکڑی کا جالا جس میں صرف چھوٹے کیڑے پھنستے ہیں۔

مرحوم: جس کے واپس آنے کا کوئی دور کا خدشہ نہ ہو۔

لائبریری: کتابی کیڑوں کی آرام گاہ۔

اٹوٹ انگ: کسی سے کوئی چیز لے کر واپس نہ کرنا۔

شہر باوفا

عبدالصمد قریشی

کہنے کو تھی یہ بانجھ سی ویران سر زمیں
آثار جس میں پانی کے ملتے نہ تھے کہیں
پھیلی ہوئی تھی چار سو ویرانیاں یہاں
ہر جا پہ تھیں مکین پریشانیاں یہاں
کھینچا گیا جب اس پر دعاؤں کا اک حصار
لکھی گئی پھر اس کے مقدر پر اک بہار
ایسی بہار جس پہ کبھی کچھ خزاں نہیں
پت جھڑ کے موسموں کا بھی جس پر گماں نہیں
پھر یوں ہوا کہ اس میں سے چشمے اُبل پڑے
نایاب اس کی کوکھ سے موتی اُبل پڑے
اس پہ خدائے پاک کا یہ معجزہ ہوا
پاؤں کے اس کے نیچے سے پانی بہا دیا
پورا ہوا یوں حضرت فضل عمر کا خواب
بخشا خدا نے ربوہ کو اکرام لاجواب
تب یہ زمیں مرجع خلق جہاں ہوئی
اہل وفا کے واسطے دارالاماں ہوئی
اب مثل قادیان رجوع جہاں ہے آج
یہ وہ نگر ہے دنیا میں جنت نشاں ہے آج
بستے ہیں اس میں لوگ حسیں اور باوفا
رکھتے ہیں دل میں عشق کے جذبات بے بہا
اس کا ایک گوشہ ہے شاداب و دلنشیں
روشن ہے حسن نور خلافت سے یہ زمیں
اب اسی دیار سے ہی سبھی فیض پائیں گے
اس کے جمال نور سے دل جگمگائیں گے
پھیلی ہوئی ہے اس پہ جو رعنائیوں کی دھوپ
یہ وفور عشق کی پرچھائیوں کی دھوپ

ربوہ!۔ایک مثالی اور پر امن شہر

ابن لطیف

ربوہ جس کا رسمی نام اب چناب نگر ہے، جماعت احمدیہ کا صدر مقام ہے جو ضلع چنیوٹ، صوبہ پنجاب میں چنیوٹ سے قریباً 8 کیلومیٹر دور دریائے چناب کے کنارے آباد ہے۔ جماعت احمدیہ کے دوسرے خلیفہ المسیح، حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب، نے 1947ء میں ہندوستان سے نقل مکانی کے بعد 20 ستمبر 1948ء اس شہر کی بنیاد رکھی۔ لفظ ربوہ عربی زبان سے لیا گیا ہے جس کے معانی اونچی جگہ کے ہیں۔قریبا 70000 ہزار آبادی والے شہر کی آبادی کا 95 فی صد حصہ احمدیہ جماعت کے پیروکاروں سے تعلق رکھتا ہے۔شہر کا رقبہ تقریباً 24 مربع کیلومیٹر ہے۔ ربوہ کے قرب ونواح میں چینوٹ، لالیاں اور احمد نگر واقع ہیں۔ربوہ شہر ملک پاکستان صوبہ پنجاب ضلع چنیوٹ قیام 20 ستمبر 1948 قائم از حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب رقبہ کل 24 کلو میٹر (9 مربع میل) بلندی 300 میل (000,1 فٹ) آبادی (2015) کل 70 ہزار پاکستان معیاری وقت (UTC+5) ڈاک 35460 ٹیلیفون کوڈ 047 ہے۔

تاریخ

کہا جاتا ہے کہ ربوہ وہ جگہ ہے جہاں محمد بن قاسم نے سندھ اور ملتان فتح کرنے کے بعد دریائے چناب کو عبور کر کے چندروٹ کے راجہ کے خلاف جنگ کی تھی۔ چندروٹ موجودہ چنیوٹ کا قدیمی نام ہے۔اس جنگ میں ایک سو کے قریب عرب فوجی مارے گئے۔ چنیوٹ میں شہداء کا قبرستان کے نام سے آج تک ایک قبرستان موجود ہے۔موجودہ شہر ربوہ کی آبادی سے پہلے یہ جگہ چک ڈھگیاں کہلاتی تھی اور اسے آباد کرنے کی تمام کوششیں ناکام ثابت ہو چکی تھیں۔

1948ء میں جماعت احمدیہ کے مرکز کی قادیان، ہندوستان سے نقل مکانی کے بعد اس جگہ 1034 ایکڑ اراضی حکومت پاکستان سے بارہ ہزار روپے کے عوض مستعار لی گئی۔ یہ معاہدہ 11 جون 1948ء کو طے پایا۔شہر کا نام ربوہ رکھا گیا کیونکہ قرآن میں اس جگہ کے لئے ربوہ کا لفظ استعمال ہوا ہے جہاں حضرت عیسیٰ اور ان کی والدہ رہتے تھے۔ربوہ کی باقاعدہ بنیاد 20 ستمبر 1948ء کو رکھی گئی۔ اس موقع پر پانچ بکروں کی قربانی کی گئی۔ چاروں کونوں پر ایک ایک اور پانچواں شہر علاقہ کے وسط میں۔اس موقع پر 619 افراد موجود تھے۔ وہ جگہ جہاں حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے پہلی نماز پڑھائی مسجد یادگار کے نام سے محفوظ ہے۔مسجد یادگار جہاں خلیفہ المسیح الثانی نے ربوہ کی زمین پر پہلی نماز پڑھائی۔آغاز میں ربوہ کی آبادی خیمہ جات میں شروع کی گئی۔رفتہ رفتہ ان کی جگہ کچی عمارتوں اور پھر پکی عمارتوں کا قیام عمل میں آیا۔حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب جو اس وقت تک لاہور میں قیام پزیر تھے 19 ستمبر 1949ء میں ربوہ منتقل ہو گئے۔اس وقت ربوہ کی آبادی قریبا ایک ہزار تھی۔اسی سال 15 تا 17 اپریل 1949ء ربوہ میں جماعت احمدیہ کا جلسہ سالانہ منعقد ہوا جس میں قریبا 17000 افراد شامل ہوئے۔

نام کی تبدیلی

۱۷ نومبر 1998ء کو پنجاب اسمبلی نے یہ تجویز اپنائی کہ ربوہ کا نام تبدیل کر دیا جائے۔اس پر اسی سال 12 دسمبر کو حکومت پنجاب نے ایک

انتظامی فیصلہ کے ذریعہ شہر کا نام نواں قادیان رکھ دیا۔ پھر 14 فروری 1999ء کو دوبارہ انتظامی فیصلہ کے ذریعہ یہ نام بدل کر چناب نگر کر دیا گیا۔ نام کی تبدیلی کے لئے مقامی آبادی یا انتظامیہ سے مشورہ نہیں کیا گیا۔

جغرافیہ

ربوہ پاکستان کے صوبہ پنجاب کے مرکزی حصہ میں دریائے چناب کے کنارے واقع ہے۔ اس کے مشرق میں چنیوٹ، شمال میں قریبا 48 کیلومیٹر پر سرگودھا، جنوب میں قریبا 46 کیلومیٹر پر فیصل آباد مشہور شہر ہیں۔ شہر اردگرد کے علاقہ کی نسبت کچھ بلند واقع ہوا ہے اور اسی لئے اس کا نام ربوہ رکھا گیا تھا جس کے معنی اونچی جگہ کے ہیں۔ اس بنا پر شہر عام طور پر دریائے چناب کے سیلاب سے محفوظ رہتا ہے۔ ربوہ کے قریب چھوٹی پہاڑیاں ہیں جو سلسلہ کوہ کرانہ کا حصہ ہیں۔ یہ سلسلہ کوہ سرگودھا سے جھنگ تک ممتد ہے۔ ربوہ کا بنجر علاقہ مسلسل کوششوں کے نتیجہ میں اب ایک سرسبز و شاداب شہر میں تبدیل ہو چکا ہے۔

موسم

ربوہ کا موسم خشک گرم ہے۔ اپریل سے اکتوبر تک گرمی پڑتی ہے جس میں مئی گرم ترین مہینہ ہے۔ درجہ حرارت 48 ڈگری سینٹی گریڈ تک پہنچ جاتا ہے۔ موسم گرما ہی میں آندھی بھی آتی ہے اور مون سون بارشیں بھی ہوتی ہیں۔ چنانچہ جون اور جولائی میں بارش کی مقدار 80 ملی میٹر تک ہوتی ہے۔ نومبر سے فروری تک موسم سرما رہتا ہے۔ جنوری میں درجہ حرارت نقطہ انجماد تک گر جاتا ہے۔ موسم سرما میں دھند ہوتی ہے جس سے حد نگاہ خطرناک حد تک کم ہو جاتی ہے۔

ربوہ کے قدیمی محلے

دارالصدر دارالرحمت دارالبرکات دارالعلوم دار النصر دار الشکر دار الیمن باب الابواب۔ شہر کے پھیلاو کے ساتھ ساتھ ان محلوں میں اضافہ ہوا ہے اور نئے محلہ جات بنائے گئے ہیں۔ بیوت الحمد نصیر آباد فیکٹری ایریا دارالفتوح طاہر آباد ناصر آباد رحمان کالونی۔ یہ محلہ جات صرف اتنے ہی نہ ہیں بلکہ ان میں سے آگے بھی ہر محلہ کے کئی کئی حلقہ جات بن چکے ہیں۔

ذرائع آمدورفت

ربوہ میں سفر کے لئے سائیکل سواری عام ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ موٹر سائیکل اور رکشہ بھی استعمال ہوتا ہے۔ شہر سے پاکستان بھر میں سفر کے لئے سہولت موجود ہے اور دن میں کئی گاڑیاں سفر کیلئے موجود رہتی ہیں۔ ہوائی سفر کے لئے سرگودھا اور فیصل آباد میں ہوائی اڈے موجود ہیں جبکہ اکثر بین الاقوامی سفروں کے لئے لاہور کا ہوائی اڈا استعمال ہوتا ہے۔ ربوہ احمد نگر سے کالووال سڑک پر موجود مخدوم انٹرچینج کے ذریعہ قریبا 35 کیلومیٹر پر قومی شاہراہ M2 سے منسلک ہے۔ اسی طرح چنیوٹ سے پنڈی بھٹیاں سڑک کے ذریعہ قریبا 43 کیلومیٹر پر M2 سے بھی منسلک ہے۔

مساجد

شہر کی اہم مساجد میں مسجد اقصیٰ شامل ہے جہاں جمعہ کی نماز ادا کی جاتی ہے۔ اسی طرح مسجد یادگار تاریخی اہمیت کی حامل ہے۔ یہ مسجد اس جگہ تعمیر کی گئی ہے جہاں بانی ربوہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے ربوہ کی سرزمین پر پہلی نماز پڑھائی تھی۔ مسجد مبارک میں احمدی خلفاء 1984 میں خلافت کے لندن منتقل ہونے تک پنجگانہ نمازیں پڑھاتے رہے ہیں۔

ہسپتال

شہر کا بڑا ہسپتال فضل عمر ہسپتال ربوہ ہے جو شہر کے علاوہ گردو نواح کے لوگوں کی خدمت کے فرائض بھی سرانجام دیتا ہے۔ 150 بستروں کا یہ ہسپتال اپنی عمارت، بہترین اور جدید ترین سہولیات اور ماہر عملہ کی بدولت مشہور ہے۔ فضل عمر ہسپتال کا بیگم زبیدہ بانی ونگ خواتین کی امراض اور صحت کے لئے مخصوص ہے۔ اسی طرح ہسپتال کا طاہر ہارٹ انسٹی ٹیوٹ پاکستان میں دل کے امراض کے بہترین اداروں میں سے ایک شمار ہوتا ہے۔ طاہر ہومیوپیتھک ریسرچ اینڈ ٹریننگ

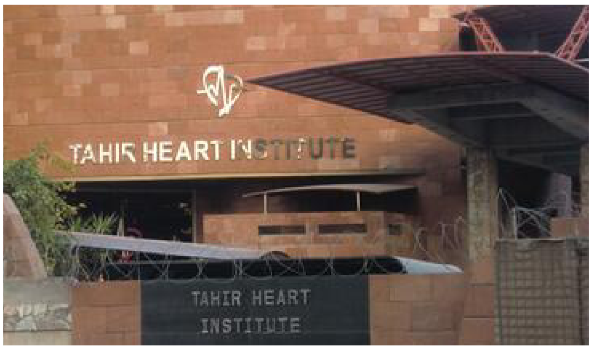

انسٹیٹیوٹ علاج بالمثل کے طریق پر بیماریوں کا علاج کرنے کا کام کرتا ہے۔اور یہاں پر دنیا بھر سے ہر طبقۂ فکر کے لوگ علاج اور دوا کے حصول کے لئے آتے ہیں۔ان تمام مریضان کو مکمل طور پر مفت علاج کی سہولت فراہم کی جاتی ہے۔اور بذریعہ فون بھی دوائی منگوائی جاسکتی ہے۔اس کے علاوہ شہر میں متعدد نجی کلینک بھی کام کر رہے ہیں۔

تعلیمی ادارے

ربوہ کے تعلیمی اداروں میں مردوں کے لئے گورنمنٹ تعلیم الاسلام کالج مشہور ہے جو جماعت احمدیہ نے جاری کیا تھا لیکن ذوالفقار علی بھٹو کے دور حکومت میں قومیہ لیا گیا۔اسی طرح خواتین کی اعلیٰ تعلیم کے لئے جاری کردہ جامعہ نصرت کالج بھی قومیا لیا گیا۔ان کالجوں کے قومیائے جانے کے بعد

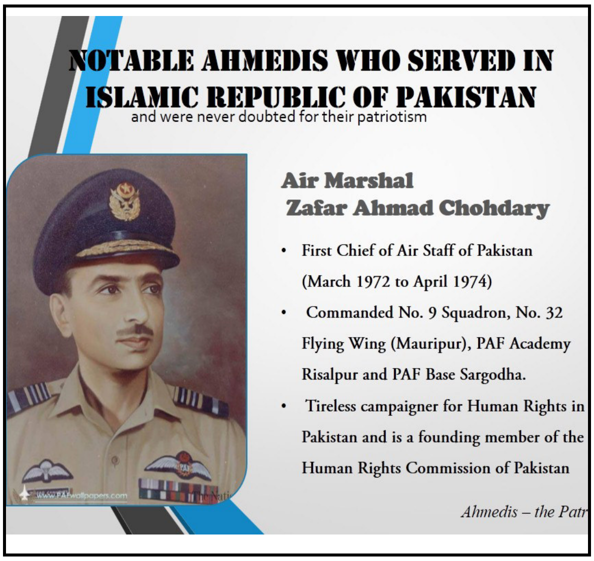

جماعت احمدیہ نے نصرت جہاں اکیڈمی اورکئی دیگر ادارہ جات قائم ہیں۔لڑکوں اورلڑکیوں کے لئے کالج از سرنو جاری کر رکھے ہیں۔ان کے علاوہ متعدد نجی اسکول اور ہائی اسکول بھی موجود ہیں۔

جامعہ احمدیہ ربوہ

مدرستہ الحفظ کے نام سے لڑکوں اورلڑکیوں کو قرآن کریم حفظ کروانے کے لئے دو ادارہ جات بھی کام کر رہے ہیں۔

بہشتی مقبرہ

ربوہ کے مشہور مقامات میں بہشتی مقبرہ نامی قبرستان بھی شامل ہے۔اس قبرستان میں موصی حضرات کو دفن کیا جاتا ہے۔عالمی سطح کی دو مشہور شخصیات ڈاکٹر عبدالسلام جو واحد پاکستانی نوبل انعام یافتہ سائنسدان ہیں، اور چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان، پاکستان کے سابق وزیر خارجہ اور اقوام متحدہ میں پہلے مستقل مندوب، یہاں مدفون ہیں۔اسی طرح جماعت احمدیہ کے بانی حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کی اہلیہ نصرت جہاں بیگم صاحبہ اوران کی اولاد اور بہت سے ساتھی بھی یہاں دفن ہیں۔

بازار

ربوہ کے دو اہم بازار ہیں۔گول بازار رحمت بازار۔اہم سڑکیں۔ اقصیٰ روڑ ساہیوال روڈ کالج روڈ ریلوے روڈ راجیکی روڈ شاہراہ صدر۔

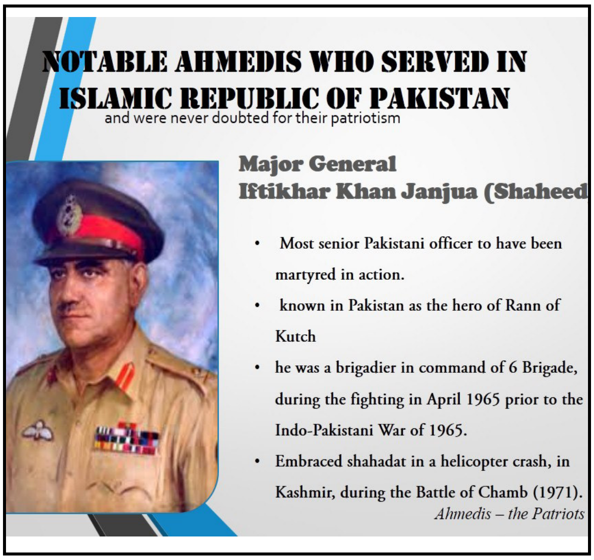

دیہاتی زندگی

اقتباسات از
شبِ غم سے سحر تک
بشارت احمد بشارت

ہمارے گاؤں کے لوگ بہت سادہ طبع اور پیار کرنے والے تھے۔ دکھ سکھ میں ایک دوسرے کے کام آنا اور آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرنا ان کا شیوہ تھا۔ساون کے موسم میں جب موسلا دھار بارش ہوتی تو چھوٹے بڑے سب گھروں سے باہر نکل آتے اور بارش میں نہانے کا خوب مزہ لیتے۔اُس زمانے میں گاؤں کے اکثر مکان کچے ہوتے تھے۔اس لئے بارش کے دنوں میں کئی مکان گر جاتے۔ایسے میں سب مل جل کر دوبارہ مکان تعمیر کر لیتے۔ساون کے موسم میں پکوڑے اور پوڑے بنانے کا رواج عام تھا۔ہر کوئی یہ چیزیں ایک دوسرے کو پیش کرنے میں پہل کرنے کی کوشش کرتا۔ہرے بھرے کھیت ایسے لگتے جیسے کسی نے ہر طرف سبز رنگ کا قالین بچھا دیا ہو۔نہر کے کنارے شیشم کے درختوں پر جھولے پڑ جاتے اور دنیا کے ہر غم اور فکر سے بے نیاز لوگ جھولے جھولتے ہوئے ہر طرف فضاؤں میں قہقہے بکھیر دیتے۔ اکثر ایسا بھی ہوتا کہ موسلا دار بارش ہو رہی ہے اور جھولے جھولے جا رہے ہیں۔ہر طرح کی آلودگی سے پاک بارش سے دھلی ہوئی جب ہوا چلتی تو ایسے لگتا جیسے ہر ایک شے کو نئی زندگی بانٹی جا رہی ہو۔درختوں پر نئی نئی کونپلیں کثرت سے نکل آتیں اور ان کے پتوں کا رنگ پہلے سے کہیں زیادہ گہرا سبز ہو جاتا ۔ہوا کے دوش پر لہراتے ہوئے درختوں کو دیکھ کر یوں لگتا کہ جیسے سارے جہاں کی خماری ان کے وجود میں سمٹ گئی ہو اور ان کی جوانی کے دن عروج پر ہوں۔باغوں میں پھولوں کی بہتات ہو جاتی اور ان کی پیاری پیاری خوشبو فضا کو معطر کر دیتی۔ان دنوں میں تو اکثر ایسی جگہوں پر بھی سبزہ نکل آتا جہاں سارا سال اس کا تصور بھی نہیں کیا جاتا تھا۔پرندوں کی چہچہاہٹ اور کوئل کی کوکو سب مل کر ایک عجیب قسم کا راگ فضا میں بکھیر دیتے۔ہر چہرے پہ تازگی آ جاتی اور ہنسی ہر ایک کے ہونٹوں پہ سجنے کے لئے کسی موقع کی محتاج نہ ہوتی۔کھیتوں میں فصلوں کا جوبن دیکھ کر کسانوں کا سینہ فخر سے تن جاتا اور چال میں وقار آ جاتا۔اٹھکیلیاں کرتے ہوئے جانوروں کو دیکھ کر یوں لگتا جیسے ان کی اس ادا پر دھرتی ماں بے حد خوش ہو رہی ہو اور گاؤں کے اس سارے ماحول پر زمین و آسمان دونوں ناز کر رہے ہوں۔

پیار کی دولت

یاروں کی ایک دوسرے پر جان قربان کرنے والی یاریاں اور بے لوث محبتیں بھی گاؤں کا سرمایہ ہیں۔سکھیوں کا ایک دوسری سے انمول پیار اور ایک دوسری کے لئے داج بنانے کا پیارا روج آج بھی اکثر دیہاتوں میں نظر آتا ہے آپس میں مل جل کر لڑکیوں کا بیٹھنا اور چوڑی توڑ کر ایک دوسری کا پیار نکالنے کا پیارا سا کھیل بھی گاؤں میں ہے۔بہن بھائی کا پاکیزہ پیار اور باپ بیٹے کے پیار کی انتہائی شدت بھی ہمیں دیہات میں ہی کثرت سے نظر آتی ہے ان سب کی ایک دوسرے سے چاہت کو دیکھ کر یوں لگتا جیسے ان کھلی فضاؤں میں ہر طرف چاہتوں اور محبتوں کا ایک بحرِ بے کراں ٹھاٹھیں مار رہا ہو بڑوں کا ادب اور احترام بھی ہمیں شہروں کی نسبت گاؤں میں زیادہ نظر آتا ہے اس کے علاوہ وہ ہستی جس کے پاؤں تلے خدا نے جنت رکھی ہے وہ ایک مسیحا کے روپ کے علاوہ ایک انتہائی مہربان اور بہت زیادہ پیار کرنے والی نظر آتی ہے ماں کا یہ خوب صورت روپ ویسے تو ہر جگہ ہے لیکن گاؤں میں خاص طور پر یہ ہستی ہر وقت اپنے اہل خانہ پر قربان ہو رہی ہوتی ہے۔میرے خیال میں شائد یہ سب اس لئے ہے کہ گاؤں میں رہنے والے فطرت کے زیادہ قریب ہوتے ہیں اور جتنی کوئی چیز فطرت کے زیادہ قریب ہوتی ہے اتنی ہی وہ حسین،خوبصورت اور خالص ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ دوسرے رشتوں میں بھی پیار کی شدت یہاں بہت زیادہ ہے۔میرے خیال میں فطرت کے نظاروں،سبزہ زاروں،فصلوں،درختوں، نہروں،دریاؤں،آبشاروں،اور تازہ ہواؤں سے دور رہنے والے لوگ عقلی لحاظ سے بالغ اور مکمل نہیں ہوتے جب کہ یہ سب کچھ گاؤں کا ورثہ ہے دوسرے لفظوں میں گاؤں میں رہنے والے علمی لحاظ سے بھی زیادہ ترقی کر جاتے ہیں اگر ان کو تعلیم حاصل کرنے کے مناسب مواقع میسر آ جائیں شائد اسی لئے ساری دنیا میں مختلف ممالک کے سربراہان مملکت زیادہ تر دیہاتوں سے ہی تعلق رکھتے ہیں۔شائد دنیا میں بہت ہی کم ایسے ممالک ہونگے جن کی پارلیمنٹ میں شہروں میں رہنے والوں کی تعداد دیہات میں رہنے والوں کی نسبت زیادہ ہوگی ویسے بھی دنیا کے اکثر دانشوروں کی بھاری تعداد کی جڑیں کہیں نہ کہیں گاؤں کے فطرتی ماحول سے جڑی ہوئی ملتی ہیں۔

میرا گاؤں

میرا چھوٹا سا گاؤں بھی پنجاب کے اس خوبصورت سینے پر واقع ہے۔ اُس وقت اس کی آبادی چند سو نفوس پر مشتمل تھی گاؤں کی بیشتر آبادی کھیتی باڑی سے منسلک تھی کچھ لوگ قالین بافی کی صنعت سے وابستہ تھے اور چند افراد بڑے شہروں میں جا کر مختلف قسم کے کام کاج کرتے تھے۔ گاؤں میں قالین بافی کی صنعت کی وجہ سے دوسرے دیہاتوں کی نسبت ہمارے گاؤں کے لوگ کافی خوش حال تھے۔

اس زمانے میں لڑکیوں کے لئے وہاں کوئی سکول نہیں تھا۔ البتہ کچھ عرصہ بعد پانچویں تک اُن کے لئے بھی اسکول بنا دیا گیا۔ گاؤں میں ہسپتال نام کی کوئی شے نہیں تھی اس لئے علاج معالجے کی صورت میں لوگوں کو چند میل کے فاصلے پر واقع قصبے میں جانا پڑتا تھا۔ چھٹی سے دسویں جماعت تک کے طالب علموں کو بھی تعلیم حاصل کرنے کے لئے اسی قصبہ میں جانا پڑتا علاوہ ازیں گھر کا سودا سلف خریدنے کے لئے بھی اکثر لوگ اُسی قصبہ کا رُخ کرتے۔ گاؤں کے پاس سے ایک چھوٹی سی نہر گزرتی تھی جو گاؤں کے بچوں کے لئے گرمیوں کے موسم میں قدرت کے کسی بڑے انعام سے کم نہ تھی۔ علاوہ ازیں گاؤں کے باہر کھیلنے کودنے کے لئے بڑے بڑے میدان بھی تھے جن میں گاؤں کے لڑکے مختلف قسم کے کھیل کھیلتے رہتے تھے۔ گاؤں کے بازار کھلے تھے لیکن کچی نالیاں ہونے کی وجہ سے اکثر جگہوں پر پانی کھڑا رہتا تھا۔

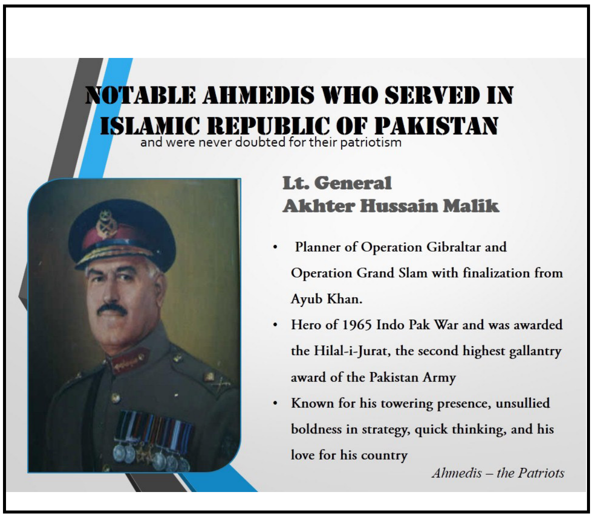

میرا اسکول

پہلی سے پانچویں جماعت تک گاؤں میں لڑکوں کے لیے پرائمری سکول موجود تھا۔ سکول کیا تھا ایک عجیب وغریب عمارت جو ایک بڑے سے کمرے، لمبے سے برآمدے اور سامان رکھنے والے ایک چھوٹے سے سٹور پر مشتمل تھی۔ یہ کمرے گارے اور پکی اینٹوں کی چنائی سے بنائے گئے تھے۔ البتہ برآمدہ گارے اور مٹی سے بنایا گیا تھا۔ سکول کی چار دیواری بھی گارے مٹی سے ہی بنائی گئی تھی۔ صحن کافی کھلا تھا اس کا کچھ حصہ ماسٹر جی کی ہدایت پر موسمی فصلیں کاشت کرنے کے کام آتا اور کچھ حصہ میں کیاریاں بنا کر پھول لگائے گئے تھے باقی حصہ سردیوں میں کمروں سے باہر دھوپ میں بیٹھ کر پڑھنے اور کھیل کود کے کام آتا تھا۔ صحن میں کھجور کا ایک درخت اور چند جھاڑی دار کیکر کے درخت بھی تھے۔ ہاتھ سے چلانے والا نلکا تھا جس کا پانی پینے کے لیے مجبوراً استعمال کیا جاتا کیوں کہ سیم زدہ علاقہ ہونے کی وجہ سے یہ پانی انتہائی نمکین اور کڑوہ تھا۔ سخت گرمی کے موسم میں کبھی کبھی اس کے پانی سے پھولوں کی کیاریوں کو بھی سیراب کیا جاتا علاوہ ازیں ہفتے میں ایک دوبار نہر کے پانی سے بھی موسمی فصلوں اور پھولوں کی کیاریوں کو سیراب کیا جاتا۔ سکول کے سامنے ایک جوہڑ تھا جس کے پانی سے اکثر تختیاں دھوئی جاتی تھیں اس کے پانی کا کچھ حصہ نہر کے پانی سے آتا اور کچھ بارش کے پانی سے آتا تھا۔ یہ تھا میرا وہ سکول جس میں میں نے زندگی کے پانچ بہترین سال گزارے یہ میری زندگی کا وہ بہترین دور تھا جس میں میں نے اپنے اور اپنے دوستوں کے بچپن کی معصوم شرارتوں کا خوب جی بھر کے لطف اُٹھایا۔ پڑھنے کے ساتھ ساتھ جی بھر کر کھیلا کودا۔ لیکن کچھ مثبت، اچھا، نیا اور سب سے الگ کرنے کی تشنگی طبعیت میں رہتی جو شاید ہمیشہ ہی رہے گی!!

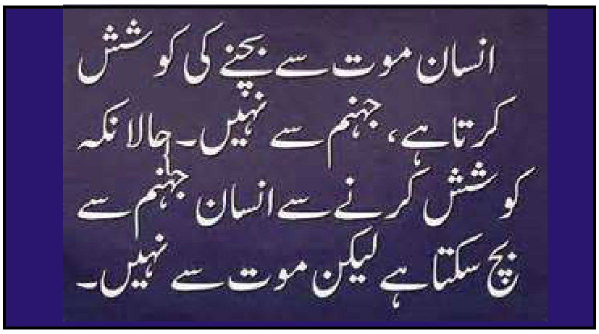

کیپٹن صفدر اور فکر مودودی

اے آر راجپوت

آج اسمبلی میں مولوی کیپٹن صفدر نے دھاڑنا تھا تو عدلیہ کے خلاف تھا مگر بکنا شروع کر دیا احمدیوں کے مخالف چونکہ احمدیوں کی طرف سے جواب کوئی نہیں آئے گا تو پھر یہ فاتح ختم نبوت بن کر عریاں مقبول جان کی طرح مجاہد بن جائے گا۔لوگ ہار پہنائیں گے۔ویسے بھی نواز شریف کا داماد ہے۔لگا چوہدری سر ظفر اللہ خان اور ڈاکٹر عبدلسلام کے متعلق باتیں کرنے۔

بھلا چاند پر تھوکنے سے وہ واپس تمہارے چہرے پر ہی گرے گا۔اے بدتمیز کوہکن، تمہارے میں کیا کوئی گُن ہے سوائے اس کے کہ تو شریف فیملی کا داماد ہے۔پاکستان کا ہر بدکردار آدمی بھی دین اسلام کا نام نہاد عالم بننے لگا ہے۔اسی طرح ایک پہاڑ یا کسی وجہ سے شریف خاندان کا داماد تو بن بیٹھا۔مگر رہا وہی خر بے مغز۔مودودی کا چیلا۔اُس جماعت احمدیہ کی مخالفت میں نمبر بنا رہا ہے جسے پاکستان میں بولنے کی اجازت نہیں جو کہ مظلوم ہے۔ اور پابہ زنجیر ہے۔مگر یہ لونچڑے پھر بھی اُسے جینے نہیں دیتے۔مطالبہ کیا ہے۔کہ عبدالسلام شعبہ فزکس قائداعظم یونیورسٹی سے عبدالسلام کا نام نکالا جائے۔اپنے سسر نواز شریف کو قبل از وقت رام کر لیتے تو یہ واقعہ نہ ہوتا۔مگر عبدالسلام شعبہ فزکس قائداعظم یونیورسٹی علمی لوگوں اور سائنسدانوں نے بنایا ہے۔عبدالسلام کا نام اب ان شعبوں کا محتاج نہیں بلکہ ساری دنیا اس کے نام کو جانتی ہے اور اس کے علم کی محتاج ہے۔اب وہ آفاقی نام ہے۔آپ لوگوں کی سوچ سے بھی وہ بالاتر ہے۔وہ بقراط اور سقراط کی طرح امر ہو گیا۔فکر مودودی کی بات کرنے والے یہودی ہیں۔جو پاکستان کے قیام کے دشمن تھے۔جنہوں نے قائداعظم کو کافر اعظم کہا۔پلیدستان کہا، بلکہ کشمیر میں شہید ہونے والوں کو مردہ اور دہشت گردوں کو شہید کہا جو مادرِ وطن کے خلاف لڑتے ہیں۔یہ جاہل مطلق اپنی تاریخ سے نابلد ہیں۔مودودی صاحب کو غدار وطن کے طور پر پھانسی کی سزا ہوئی تھی۔پھر ان کی زندگی کی بھیک مانگ کر جان بچائی گئی۔دشمنِ پاکستان یہی مذہبی جماعتیں ہیں۔۱۹۷۱ میں مفتی محمود نے کہا تھا کہ خدا کا شکر ہے کہ ہم پاکستان بنانے کے گناہ میں شریک نہ تھے۔باچا خان سرحدی گاندھی تھے جو پختونستان کے حامی تھے۔عطاء اللہ شاہ بخاری پاکستان کو پلیدستان کہتے تھے۔اور اپنے چپراسی کا نام قائداعظم رکھا ہوا تھا۔خاکسار کے رفیق صابر نے قائداعظم پر چاقو سے حملہ کر دیا تھا۔یہ سب مدنی، آزاد، بخاری مودودی، خاکسار، جمیعت ہند اس ملک کے دشمن ہیں۔گاندھی کو رسول کہتے نہ تھکتے تھے۔دیوبندی اور بریلوی سب جماعتیں اس مادر وطن کی دل سے مخالف ہیں۔ذرا تاریخ تو پڑھو۔سسرال سے پندرہ سو ریال ماہانہ گزارہ الاؤنس لینے والے کو ہ کن۔اسی لئے اب یہ ملک انڈیا کو فروخت کیا جا رہا ہے۔اب بھی ساری قوم کے غدار انڈیا کو رام رام کر رہے ہیں۔قائداعظم کا جنازہ تو مودودی صاحب نے بھی نہیں پڑھا تھا بلکہ سب مخالف پاکستان علمائے سُو نے نہیں پڑھا تھا۔کیا صرف ظفر اللہ خان پر جنازہ قائداعظم فرض تھا۔بلکہ جنازہ تو فرض کفایہ ہے۔تم ان پڑھ لوگ ہو۔کمزور کود باتے ہو۔دائش کی طرف آنکھ کرو۔لال مسجد کے خطیب کی بات کرو۔ممتاز قادری کے چیلے۔جاؤ قبروں میں چرس بھنگ جا کر پیئو۔یہی تمہارا دین ہے۔

اسلام کا بیڑہ کرنے والو جاہلو! تم لوگوں نے اسلام کو بدنام کیا، ملک کو بدنام کیا، بدکردار نام نہاد مسلمان منافق ہو تم۔پارلیمنٹ میں کوئی صادق امین نہیں۔اداروں میں کوئی محب وطن نہیں۔مذہب کا جعلی لبادہ اوڑھ کر اپنی شکم پری کرنے والے نخچرو۔خدا جلد تمہیں سنبھالے گا۔کس منہ سے مذہب کی بات کرتے ہو۔شرابیو، زانیو! منافقو! بےعملو!، غدارو، انڈیا کے ایجنٹو، دائش کے گماشتو!۔اپنی اوقات میں رہو۔بہت وقت کم رہ گیا ہے۔تمہاری داستاں بھی نہ ہوگی داستانوں میں۔احمدیوں کے کارناموں کو اگر تاریخ میں تمہارے جیسے ٹٹ پونچھیئے پڑھ لیں تو عقل ٹھکانے لگ جائے۔پاکستان بنانے والے یہی لوگ ہیں۔قرارداد پاکستان پیش کرنے والے ظفر اللہ خان، گول میز کانفرنسز میں تقسیم ہند کے لئے دلائل دینے والے ظفر اللہ خان، باؤنڈری کمیشن کے چیئرمین ظفر اللہ خان، پہلے وزیر خارجہ پاکستان ظفر اللہ خان، عالمی عدالت کے صدر ظفر اللہ خان، پاکستان کو متعارف ساری دنیا میں کروانے والے ظفر اللہ خان، سپارکو کے بانی ڈاکٹر

عبدالسلام، مشیر سائنس صدر پاکستان ۱۵ سال تک ڈاکٹر عبدالسلام، ۱۹۶۵ کی جنگ کے ہیروز جنرل اختر ملک، ،فاتح چونڈہ جنرل عبدالعلی، ۱۹۷۱ میں جنگ میں شہید ہونے والے پہلے جنرل افتخار جنجوعہ، ائر ماشل ظفر چوہدری، پاکستان کی معشیت کو سہارا دینے والے ایم ایم احمد۔

کتنے احمدیوں کے نام گنواؤں۔ ہزاروں احمدی ایسے کارنامے انجام دے چکے ہیں جو تمہارے باپ نے بھی نہ دیئے ہونگے۔ ایک دہشت گرد ،ڈاکو، اتنی عظیم ہستیوں پر بکواس کر رہا ہے اور وہ بھی اسمبلی میں۔ کہاں ہیں اشرافیہ اور اپنے آپ کو منصف کہنے والے۔ اسمبلی میں ممتاز قادری کے نعرے لگوانے والے یہ سب دہشت گرد اور غدار ہیں۔ جو نوز شریف کے داماد کے ڈر سے بولے نہیں۔ مسلمان بنو۔ عدل فاروقی کہاں ہے۔ یہ تو کار یزیدی ہے۔ ایک جاہل کو بکنے کی کھلی چھٹی دی گئی۔ اور قومی اسمبلی کا امیج خراب کیا۔ مسلمان مسلمان مسلمان، ہم مسلمان ہیں۔ کیا ہے مسلمانی تم لوگوں میں۔ دو نمبری میں، بدمعاشی میں، منافقت میں، ملک کو لوٹنے میں ،زنا اور شراب میں، بے غیرتی میں، جعلی اشیاء بنانے اور ایکسپورٹ کرنے میں، مردوں کے کفن اتارنے میں، تم سب سے آگے ہو۔ تم لوگ اسلام اور مسلمانوں کے ماتھے پر کلنک کا ایک ٹکہ ہو۔ جب تک احمدی اس حکومت کا حصہ رہے تو تم جیسے غدار بلوں میں چوہوں کی طرح چھپے رہے۔ اب احمدیوں کے بعد باہر آئے ہو تو دیکھو تمہاری نسل بھی اب خالص نہیں۔ ملک ٹوٹ رہا ہے۔ ہر طرف انتشار ہے۔ کوئی صادق امین نہیں، ہر کوئی تماشا دیکھ رہا ہے ،ہر کوئی اپنی جھولی بھر رہا ہے۔ بے غیرتو! مسلمان نہیں پہلے انسان بنو محسن انسانیت کے اُسوہ کو دیکھو... تم مسلماں ہو کہ جن کو دیکھ کر شرمائیں یہود۔

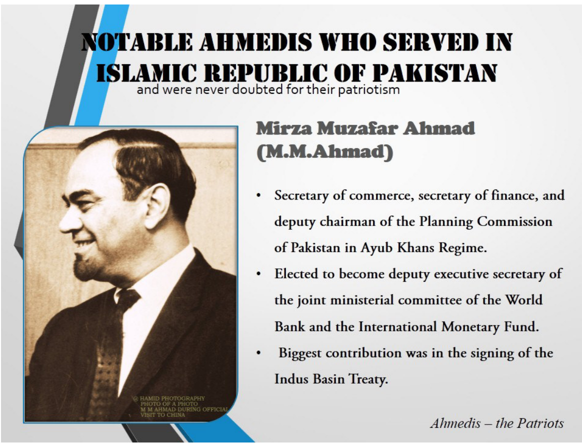

فکر کی بات

رجل خوشاب

قدرت کا قانون ہے کہ وہ ملک جس کے بادشاہ، حکمران، وزیر، افسر اور تاجر بڑے گھروں اور بڑے دفتروں میں رہتے ہیں وہ ملک، وہ معاشرہ زوال پذیر ہو جاتا ہے!! افسوس، اس وقت پورا عالم اسلام، بڑے گھروں کے خبط میں مبتلا ہے! اس وقت دنیا کا سب سے بڑا محل برونائی کے سلطان کے پاس ہے! عرب میں سینکڑوں ہزاروں محلات ہیں اور ان محلات میں سونے اور چاندی کی دیواریں ہیں۔ اسلامی دنیا اس وقت قیمتی اور مہنگی گاڑیوں کی سب سے بڑی مارکیٹ ہے!! پاکستان میں ایوان صدر، وزیراعظم ہاؤس، گورنر ہاؤسز، کور کمانڈر ہاؤسز، آئی جی، ڈی آئی جی، ڈی سی ہاؤسز اور سرکاری گیسٹ ہاؤسز کو دیکھو، یہ سب بڑے گھر ہیں! پاکستان کے وزیراعظم ہاؤس کا رقبہ قائداعظم یونیورسٹی کے مجموعی رقبے سے چار گنا ہے! لاہور کا گورنر ہاؤس پنجاب یونیورسٹی سے بڑا ہے! ایوان صدر کا سالانہ خرچ پاکستان کی تمام یونیورسٹیوں کے مجموعی بجٹ سے زیادہ ہے! ان حکمرانوں کے دفتر اور انکی شان و شوکت دیکھو، اُنکے اخراجات اور عملہ دیکھو، کیا یہ سب فرعونیت نہیں؟ کیا اس سارے تام جھام کے بعد بھی اللہ تعالیٰ ہم سے راضی رہے گا؟؟ اسکے برعکس دنیا کی ترقی یافتہ قوموں کا لائف سٹائل دیکھو: بل گیٹس دنیا کا امیر ترین شخص ہے، دنیا میں صرف 18 ممالک ایسے ہیں جو دولت میں بل گیٹس سے امیر ہیں، باقی 192 ممالک اس سے کہیں غریب ہیں، لیکن یہ شخص اپنی گاڑی خود ڈرائیو کرتا ہے، وہ اپنے برتن خود دھوتا ہے۔ وہ سال میں ایک دو مرتبہ ٹائی لگاتا ہے اور اسکا دفتر مائیکروسافٹ کے کلرکوں سے بڑا نہیں! وارن بفٹ دنیا کا دوسرا امیر ترین شخص ہے۔ اسکے پاس 50 برس پرانا اور چھوٹا گھر ہے، اسکے پاس 1980ء کی گاڑی ہے! برطانیہ کے وزیراعظم کے پاس دو بیڈروم کا گھر ہے! جرمنی کی چانسلر کو سرکاری طور پر ایک بیڈروم اور ایک چھوٹا سا ڈرائنگ روم ملا ہے! اسرائیل کا وزیراعظم دنیا کے سب سے چھوٹے گھر میں رہ رہا ہے اور کبھی کبھار اسکی بجلی تک کٹ جاتی ہے!

بل کلنٹن کو لیونسکی کیس کے دوران کورٹ فیس ادا کرنے کے لئے دوستوں سے اُدھار لینا پڑا تھا! وائیٹ ہاؤس کے صرف دو کمرے صدر کے استعمال میں ہیں، اوول آفس میں صرف چند کرسیوں کی گنجائش ہے! جاپان کے وزیراعظم کو شام چار بجے کے بعد سرکاری گاڑی کی سہولت حاصل نہیں! چنانچہ دیکھ

لوچھوٹے گھروں والے یہ لوگ ہم جیسے بڑے گھروں والے لوگوں پر حکمرانی کررہے ہیں!! یہ ممالک آگے بڑھ رہے ہیں اور ہم دن رات پیچھے جا رہے ہیں!!! ایسا کب تک چلے گا؟ ہمیں بنکوں کے بارے میں سنجیدگی سے سوچنا ہے۔ جو رقم نکالتے وقت ایک ہی دن میں کئی بار ہمارے اکاؤنٹ سے 6.0 فیصد کے حساب سے بھتہ لے رہے ہیں یعنی: ایک لاکھ پہ 600 روپے 5 لاکھ پہ 3000 روپے۔ 10 لاکھ پہ 6000 روپے۔ ایک کروڑ پہ 60000 دس کروڑ پہ 6 لاکھ!! کیوں؟ حکومت کو یہ اختیار کس نے دیا؟ یہ رقم کہاں جاتی ہے؟ ہمیں ان سے حساب لینا ہوگا! یہ پارلیمنٹ میں بسیرا کرنے والے سو فیصد سیاستدان ہمیں لوٹ رہے ہیں. یہ عوام کا خون چوسنے والے ہمیں divert کررہے ہیں! لیکن اب وقت آ گیا ہے کہ ہم حقیقی معنوں میں ان سے آزادی حاصل کریں۔ ہمارے لئے سب سے اہم آزادی عزت نفس کی آزادی ہے نہ کہ موٹروے، میٹرو، سی پیک وغیرہ! جب تک ہماری عدالتیں انصاف فراہم کرنے میں دس دس سال لگاتی رہیں گی تب تک یہ نظام راہ راست پہ آنے والا نہیں!!

اتفاق کی بات ہے

ابن کاٹھگڑھ

اتفاق کی بات ہے کہ ایک آغا خانی نے آل انڈیا مسلم لیگ بنائی جو آگے چل کر قیام پاکستان کی بنیاد بنی۔ اتفاقیہ امر یہ بھی ہے کہ قائداعظمؒ محمد علی جناح ایک اسماعیلی گھرانے سے تھے۔ یہ بھی ایک اتفاق ہے کہ سب سے پہلے اسلامی پاکستان کا جامع تصور اور نام چوہدری رحمت علی کا تجویز کردہ ہے۔ اتفاق یہ بھی ہے کہ ایک احمدی سر ظفر اللہ خان نے گول میز کانفرنس میں بھی پاکستان کی وکالت کی اور اسی نے قرارداد پاکستان کا مسودہ تیار کیا۔ باؤنڈری کمیشن کی جنگ لڑی۔ کشمیر کا کیس جیتا۔ ساری دنیا میں اقوام متحدہ کے پلیٹ فارم سے پاکستان کی عزت کو دوبالا کیا، اور پھر ایک احمدی سائنسدان عبدالسلام نے نوبل انعام لے کر وطن عزیز کی شان بڑھائی۔ اتفاق کی بات یہ بھی ہے کہ پاکستان کے قیام کے سب سے بڑے حامی بنگال کے وہ مسلمان تھے، جنہوں نے 1971 میں علیحدگی اختیار کرلی۔ یہ بھی ایک عجیب اتفاق ہے کہ پنجاب سے پاکستان کے حق میں سب سے کم ووٹ پڑے اور آج پنجاب پاکستانیت کی سب سے مؤثر آواز ہے بلکہ سارے ملک پر قابض ہے۔ ایک اتفاق یہ بھی ہے کہ اسلام پسند قیام پاکستان کے سب سے بڑے مخالف تھے، ساری اسلامی جماعتیں ہندو نواز، کانگرس کے چیلے تھے، اور پاکستان کو پلیدستان کہتے تھے۔ مدنی، مودودی، احراری، خاکسار، سرحدی گاندھی، کے چیلوں نے آخر اس کو پلیدستان بنا کر چھوڑا۔ یہی جماعتیں آج پاکستان میں اسلام پسند وطنیت کی پرچارک ہیں .. آغا خانی وہ ہیں جن کے پیشوا نے پاکستان بننے کے بعد 5 بلین کی رقم دی تھی جس سے ہم نے عمان سے گوادر واپس خریدا تھا۔

جو لوگ اب بھی انکو کافر سمجھیں تو براے مہربانی اس ملک میں آپکا سانس لینا بھی حرام ہے۔ یہ بھی اتفاق ہے کہ اتفاق فونڈری نے نام نہاد فوجی مردِ مومن کی گود میں بیٹھ کر اسی وطنِ عزیز کو لوٹا۔ فوج اور عدلیہ نے بھی آئی جے آئی بنا کر اس کو فرعون بنایا۔ آج وہی انکو آنکھیں دکھا رہا ہے۔ ہور چوپو۔ اس ہندو نواز ذہنیت نے اپنے تجارتی مفادات کی خاطر حب الوطنی کو پسِ پشت ڈال کر یزید کی یاد دلا دی کہ اقتدار کی کرسی کے مقابل ہر چیز ہیچ ہے۔ حلوائی کی دکان پر نانا جی کی فاتحہ ایسی پڑھی کہ سب ابن الوقت لشکر یزید میں شامل ہو گئے۔ ایسی ہاہا کار مچ رہی ہے کہ سب حسینؑ کو ہی قصوروار ٹھہرا رہے ہیں۔ عوام کالانعام کو سمجھ نہیں آ رہی۔ سارے ملک میں ایسا بدمعاش کلچر متعارف کروایا ہے کہ ہر کوئی عالمِ اسلام بنا پھرتا ہے، سر عام فتاویٰ گھڑتا ہے۔ جنت فروخت کرتا ہے۔ دہشت گرد پیدا کرتا ہے۔ اور اپنی دہشت اسلام کے نام پر پھیلاتا ہے۔ مساجد کو اپنی باندی سمجھتا ہے۔ عورت کو اور اقلیتوں کی تذلیل میں شدت پیدا کر کے اپنے آپ کو خادم اسلام گردانتا ہے۔ اُلٹی گنگا بہہ رہی ہے۔ اب اس مملکت خداداد کا انجام کیا ہونے والا ہے۔ خاکم بدہن۔ ہنود و یہود کے یہ چیلے میر جعفر اور میر صادق کا کردار ادا کر رہے ہیں۔ شمر و یزید کا لشکر رواں دواں ہے۔ قیام پاکستان کے وقت جس طرح قائداعظم کو کافر اعظم کہہ کر کارنر کرنے کی ناکام کوشش کی گئی۔ ان علمائے سُو کی طرف سے۔ آج عمران خان کے ساتھ بھی وہی کچھ ہو رہا ہے۔ بے شک وہ جو کچھ بھی ہے مگر وہ حق کا راگ اُلاپ رہا ہے۔ کہاں ہے عدلِ فاروقی کے مدعی، کہاں ہیں اسلامی نشاۃ ثانیہ کے مدعی، جس طرح باقی سربراہانِ اسلامی ممالک معاونین فرنگ تھے اسی طرح آج کے سیاسی لیڈران اور علمائے سُو بھی معاونین فرنگ و ہنود و یہود ہیں۔ اپنے مفادات اور شکم پری کے لئے اسلام سے نہیں یزیدان سے منسلک ہیں۔ ذرا غور کرو۔ اسحاق ڈالر کی سائیکلوں کی دوکان تھی۔ نواز شریف کا دادا

پھولوں کے ہار بنا کر فروخت کیا کرتا تھا، خواجہ سعد رفیق کے والد کا لاہور میں ایک چھوٹا سا پریس ہوا کرتا تھا۔ ان سب یزیدوں کی تفصیل کے لئے ایک دفتر اوراق چاہیئے ۔اے میرے ہم وطنوں ملک کو سنبھالو۔ ان چوروں اور ڈاکوؤں نے بھٹو کے وقت سے ہی اپنے راستے صاف کرنے کے لئے بڑی رُکاوٹیں صاف کیں ۔ اشرافیہ اور نیک بیوروکریٹس، ججوں ، اور دیگر افسران نیک کو بڑے بڑے عہدوں سے ہٹایا۔ اب سب محکموں میں ان کا طوطی بولتا ہے ۔ ہر محکمہ کرپٹ اور رشوت خور ہو گیا ہے۔ ملک کا امیج تباہ ہو گیا ہے ۔ ہر چیز جعلی بن رہی اور بک رہی ہے ۔ انارکی ہے ۔ کوئی ماتحت اپنے افسرانِ بالا کی نہیں سنتا۔ ہر کوئی حصہ بقدر جثہ لیتا ہے۔ اس لئے اس ملک کو نئے سرے سے منظم کرنے کی ضرورت ہے ۔ یہاں اسلام اور قرآن تک کے معنی اور امیج بدل چکا ہے ۔ ہر محکمہ اپنے فنڈز ہڑپ کرنے کے چکر میں ہے ۔ کیونکہ لیڈر حضرات اور علمائے سُو عوام کے سامنے مثال ہیں ۔ کوئی عدلیہ، انتظامیہ، افواج کی عزت نہیں ۔ انڈیا اپنے مقاصد میں کامیاب ہو رہا ہے ۔ ہر طرف RAW کے ایجنٹ سرگرم ہیں۔ دہشت گرد تنظیمیں رانا ثناء اللہ کی سربراہی میں پنجاب میں سرگرم ہیں ۔ سارا ملک ہی سانحہ ماڈل ٹاؤن بننے جا رہا ہے۔ خدا اس مملکت خدا داد کو بچائے ۔

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

ازواجیات

عاصی صحرائی

پہلی بیوی اور پہلی گاڑی عموماً تجربہ حاصل کرنے کے کام آتی ہیں ، پہلی گاڑی مزدا 1979 بھی ہو تو بچارو 2016 لگتی ہے ۔ اسٹیئرنگ دونوں ہاتھوں سے پکڑا ہوتا ہے اور نظر سامنے سڑک پر ہوتی ہے ، پھر جوں جوں تجربے کار ہوتا ہے تو توجہ ڈرائیونگ سے ہٹ کر ساتھ سے گزرنے والی گاڑیوں کی طرف ہوتی جاتی ہے ، اسٹیئرنگ بھی ایک ہاتھ کے تابع ہو جاتا ہے۔ ڈینٹ سارے پہلی گاڑی کو پڑتے ہیں اور جب گاڑی چلانے کا سلیقہ آتا ہے تو نئی آ جاتی ہے ، اسی طرح پہلی بیوی جیسی بھی ہو ہیر ہی لگتی ہے۔ اور پانچ دس سال نظر اسی سے نہیں ہٹتی۔ مرد کی ساری بیوقوفیاں ، نفسیاتی اور جذباتی حماقتیں پہلی بیوی برداشت کرتی اور کوچنگ کرتی ہے ، بچت کرتی ہے اور بچت کر کے مالی طور پر مرد کو پاؤں پر کھڑا ہونے میں مدد دیتی ہے۔ جب مرد بیوی رکھنے کا سلیقہ آتا ہے تو سوچتے ہیں یہ بھی کوئی رکھنے کی چیز ہے؟ جب تک سمجھ لگتی تین چار بچے پیدا ہو جاتے ہیں۔ یوں چیخ چیخ میں عمر کے پچاس سال گزر جاتے ہیں، 22 یا 23 سال میں شادی کر لینے والوں کے بچے باپ کی عمر کے 42 ویں سال میں باپ کے برابر پہنچ جاتے ہیں اور بیوی ایزی ہو جاتی ہے جبکہ یہی وقت آنکھیں کھولنے کا ہوتا ہے، وہ شوہر کو گھر کی مرغی سمجھتی ہے جبکہ وہ محلے کا مرغا ہوتا ہے، عین جس وقت عورت بچوں کی فکر میں غرق ہوتی ہے ، اپنے آپ سے بھی غافل ہو جاتی ہے۔ اسی دوران شوہر پر دوسری شادی کا دورہ پڑتا ہے۔

یہ دورہ 40 سے 50 سال کی عمر کے دوران پاگل پن کی حد تک ہوتا ہے اور اسکو Over Forty Syndrome کہتے ہیں۔ جس میں

÷99 پاکستانی مرد دوسری شادی کی پلاننگ کرتے ہیں،

÷9 مرد دوسری شادی کے لئے سیریس ہوتے ہیں، اور باقی

÷1 چھپ کر کامیابی حاصل کرتے ہیں۔ شوہر کا مالی استحکام عورت کے حق میں مائنس پوائنٹ ہوتا ہے، جب بچے گریجویشن کے قریب ہوتے ہیں، کرائے کے مکان کے بجائے اپنا مکان بن چکا ہوتا ہے۔ عورت سمجھتی ہے میرے نیک اور پارسا شوہر کے لئے لکڑی اور عورت برابر ہے، منزل ختم ہو گئی اب بیٹھ کر ستا لو، بس یہی موقع شب خون مارنے کا ہوتا ہے۔ کیوں کہ شوہر فرنٹ سیٹ پر دوسری سواری بٹھانے کے چکر میں ہوتا ہے۔ بیوی بچوں کے رشتے دیکھ رہی ہوتی ہے اور شوہر اپنے لئے ڈھونڈ رہا ہوتا ہے۔ جس مرد کو گھر والی ایزی لے رہی ہوتی ہے اس کو جب باہر سے توجہ ملتی ہے تو وہ بھی اپنے آپ کو سیف الملوک سمجھتا ہے۔ اور اس چکر میں قدرت اپنا کھیل کھیلتی ہیا ور اپنا آپ یاد کرواتی ہے ۔ یا تو ہارٹ آٹیک آن پہنچتا ہے یا فالج پھر سے مرد اپنے ہمسفر کے پاس پہنچ جاتا ہے۔ کیونکہ جوان اولاد کے پاس ہمیشہ وقت کی کمی رہتی ہے ۔ **

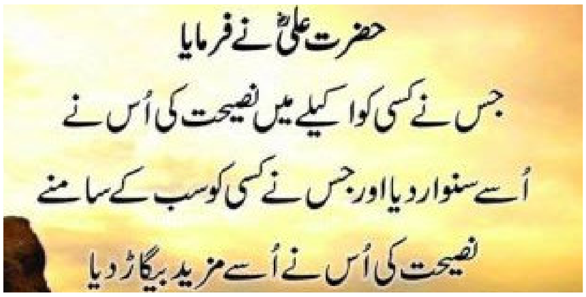

ختم نبوت اور پاکستان میں تجزیاتی طوفان

طاہر احمد بھٹی جرمنی
(از آئینہ ابصار)

ایک سخن گسترانہ پنجابی تمثیل سے بات شروع کرنی ہے اور اس مثال کو اُردو میں ہی بیان کیئے دیتا ہوں کہ جگہ جگہ ترجمے کی بکھیڑ سے بچا جا سکے۔کہتے ہیں کہ ایک غریب دیہاتی اپنے ہمسائے کے گھر گیا اور کہا کہ کچھ مہمان آگئے ہیں اس لئے ایک چار پائی چاہیئے۔ہمسائے نے کہا کہ ہمارے گھر تو دو ہی چار پائیاں ہیں۔ایک پہ میں اور میری ماں اور دوسری پہ میرا باپ اور میری بیوی سوتے ہیں۔سائل نے جھینپ کر جواب دیا کہ چار پائی نہ دیں مگر سوئیں تو ٹھیک طریقے سے۔! کل سے سارے ٹی وی چینلز اور ''معروف'' اینکرز اس بات پہ اُدھار کھائے ہوئے ہیں کہ حکومت نے حلف کی جگہ اقرار کے الفاظ کر دیئے ہیں۔اور ووٹر لسٹ ایک کر دی ہے۔اب روائتی کالم کی طرح آپ سرسری ان جملوں سے نہیں گزر سکتے کیونکہ احمدی قارئین کے تو ساتھ بیتی ہے اور وہ اشارے سے ہی ارادہ سمجھ جاتے ہیں لیکن اکثریت نے صرف فیصلے اور تائیدی بیانات یا تکفیری الزامات ہی سن رکھے ہیں اور اپنے مذہبی اور سیاسی لیڈروں کی منافقانہ بیان بازیاں اور ضمیر فروش میڈیائی دانشوروں کی تجزیاتی چھابڑیاں ہی دیکھ رکھی ہیں۔ وہ قادیانی سازش، اور امریکی ایجنڈے کی آوازیں لگاتے چھابڑی فروشوں کی آواز پہ فوری بھاگتے ہیں کہ ''دو روپے والی قادیانی قلفی مجھے بھی دینا بھائی'' کسی نے...جی ہاں پچھلے پچاس ساٹھ برسوں میں کسی نے بھی پوری بات کبھی نہیں بتائی۔

مرزا غلام احمد قادیانی، صاحبان جماعت احمدیہ کا دعویٰ تو یاد ہے مگر قاسم نانوتوی صاحبانِ دیوبند کے ختم نبوت پر تشریحی فرمودات تو در کنار، اس کا نام تک خود دیوبندی نوجوانوں کو بھی نہیں پتہ ہوتا۔کافر قرار دیا تھا کا، پتہ ہے مگر کسی مائی کے لال نے جرات نہیں کی کہ پاکستان کی آنے والی نسلوں کو بتا دے کہ میاں... پوری اسمبلی اور تمام علماء نے ساری کاروائی کے دوران ایک دفعہ بھی امام جماعت احمدیہ مرزا ناصر احمد صاحب سے ختم نبوت اور وفات و حیات مسیح کا سوال نہیں اُٹھایا تھا اور وہ کافر قرار دینے والا فیصلہ سیاسی مفاد اور انسانی حقوق کی ظالمانہ خلاف ورزی تھی اور بھٹو صاحب نے ملاں طبقے کو ڈی فیوز کرنے اور اپنے اقتدار کو بچانے کے لئے مذہبی چورن بیچا تھا اور ذاتی طور پر مرزا ناصر احمد صاحب کو حضور کہہ کے مخاطب کرتا تھا اور خود سے بہتر مسلمان کہتا تھا! کوئی آج کے سمیع ابراہیموں میں سے ہے جو بتائے کہ ضیاع الحق نے افغان جہاد کی دکان لگائی اور سعودی سرمائے سے مذہبی آڑھت میں احمدیوں کو پاکستانی شہری سے اُچھوت بنا دیا اور پاکستان سے احمدیت کے کینسر کو ختم کرنے کے دعوے کرتا ہوا پاکستان کو شدت پسندی و تکفیریت کے جہنم میں دھکیل گیا۔کوئی نہیں جو بتائے کہ شہباز شریف اور نواز شریف چنگا بھلا احمدیوں کے جان و مال سے کھلواڑ کروانے والے اور بذات خود بدترین معاند احمدیت کا پروفائل رکھتے ہیں لیکن اس دفعہ بات کچھ اور ہے۔پہلے تو یہ سوال پوچھیں کہ کیا اس ترمیم کے محرک احمدی تھے؟

کسی نے بھی احمدیوں پہ انگلی نہیں اُٹھائی اور احمدیوں کے مطالبے پہ آپ کرتے بھی نہیں۔پھر یہ کلہاڑی اپنے پیر پہ ماری کیوں؟؟ سمیع ابراہیم نے کلپ چلایا اپنے پروگرام میں کہ سعودیہ میں امریکنوں نے ایسا مرکز قائم کیا ہے جو اس نوعیت کے کام کروائے گا۔تو پھر ختم نبوت کے ساتھ غداری تو آپ کے سعودیہ نے کروائی ہے۔اس کا نام لیتے وقت آپ سب کو موت پڑتی ہے اور قادیانی قادیانی کرتے ہوئے آپ کا پروگرام ختم ہو جاتا ہے۔سنو صابر شاکر، آپ نے کہا کہ اس پروگرام کا مقصد احمدیوں کے خلاف جذبات اُبھارنا نہیں ہے بلکہ تمام اقلیتیں پاکستان کی شہری اور جان و مال کو آئین اور ریاست کا تحفظ حاصل ہے۔یہ کہہ کر آپ کس کو بے وقوف بنا رہے تھے۔عارف حمید بھٹی کو؟ عارف حمید بھٹی اگرچہ ہر مسئلے میں بلا جواز اور بے توفیق طور پر کودنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے مگر ان کو بھی مذہبی فیصلے دینے کا چسکا پڑ گیا ہے۔اور آپ تینوں نے مل کر سنجیدگی اور سوچ سمجھ کر جھوٹ بولا ہے۔ ووٹر لسٹ ایک ہونے پہ آپ کی چیخیں نکل رہی ہیں تو جب سارے پاکستانیوں کی ووٹر لسٹ

ایک اور صرف احمدیوں کی علیحدہ لسٹ تھی تو تب آپ کیوں خاموش تھے۔اور آپ مذہبی طور پر اتنے بے غیرتی پے کیوں اُتر آتے ہیں کہ ووٹر لسٹوں کو بھی تحفظ ناموس رسالت کے ساتھ جوڑ دیتے ہیں۔شرم آنی چاہیے۔۔۔صحافتی اور آئینی دلائل سے بات کریں۔۔۔پ کو انسانوں نے دیکھنا اور سننا ہوتا ہے۔یا آپ پبلک کو اینٹی احمدیہ فسادات سنہ 2017 کے کئے تیار کر رہے ہیں۔باخبر بنے پھرتے ہیں تو بتائیں ناں کہ پچھلے ماہ جنیوا میں آپ کے وفاقی وزراء کو یو این کے بین الاقوامی فورم پر خوب رگیدا گیا ہے امتیازی قوانین کے حوالے سے اور وہ موم کی ناک والے وزیر وہاں کہہ آئے تھے کہ ہم کم از کم ووٹنگ سسٹم میں امتیازی سلوک کو توفوری طور پر ختم کرنے کا وعدہ کرتے ہیں۔

یہ ساری ''چوّل'' اس لئے ماری ہے انہوں نے ورنہ احمدیوں کے سگّے نہ مسلم لیگ ن والے ناں ق ناں ف۔۔۔الف سے ی تک سب احمدیہ دشمنی میں مسابقت کی رُوح کے ساتھ آگے آتے ہیں۔اس لئے میں نے شروع میں عرض کیا تھا کہ '' آپ چارپائی نہ دیں پر سوئیں تو تہذیب سے''۔تاریخ اور تجزیئات کرتے وقت خدا تو آپ کو یاد نہیں آتا اور جمیعت نے یہ روح کامیابی کے ساتھ اپنے طلباء میں پھونکی ہے کہ مذہبی مجادلے میں جھوٹ جائز ہے۔یعنی آپ کا خدا محتاج ہے کہ آپ میڈیا پر جھوٹ بولیں تو وہ احمدیوں کو نیست و نابود کرے گا ورنہ نہیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کی تعلیم سے انحراف کر کے آپ جیسے مکاروں، بے ایمانوں اور بے ضمیروں سے جس کی ناموس کے تحفظ کا کام لیا جاسکتا ہے وہ عمران خان، عائشہ گلالئی، آصف زرداری یا کوئی فوجی جرنیل اور جج تو ہوسکتا ہے مگر نبی آخرالزمان کی ناموس کے تحفظ کی عظیم اور مقدس ذمہ داری اول تو اللہ تعالیٰ نے خود لی ہے۔اور اگر ظلی طور پر فانی انسانوں کو ملنی بھی ہو تو اس کی کوالیفیکیشن یہ ہے کہ سرِعام مستقل اور عادی اور اکیڈیمک جھوٹوں کو یہ کام نہیں سونپا جا سکتا۔ایسا ہو تو یہ اصدق الصادقین کے ساتھ ظلم ہے۔سچے اور اندر باہر سے ایک جیسے انسان جن کا سینہ کینہ ہوا ن کو سزاوار ہے کہ وہ عجز و ندامت کے آنسوں سے وضو کر کے اس خدمت کی سعادت پائیں۔آپ جن کا رزق ہی دو نمبری اور جھوٹ سے بندھا ہے آپ کو ایسے دعوے سے ہی حذر لازم ہے۔واہ دل میں پاؤں دیکھ کے رکھ والا معاملہ ہے!!! آپ منسٹروں اور ججوں اور جرنیلوں تک رہیں اور پاکستان کے آئین کے تحفظ کی جھوٹی سچی ڈینگیں مار لیا کریں۔ٹی وی اینکر کی اوقات اس سے زیادہ نہیں۔ناموس رسالت کے نام پر ملک اور پبلک کو احمدیہ مخالف یکطرفہ پروپیگنڈے کی آگ میں نہ جھونکیں۔احمدیوں نے ایسا کوئی مطالبہ کیا نہیں۔۔۔اور ملک کی ستر سالہ تاریخ گواہ ہے کہ سنگین سیاسی ابتری اور بحران میں ہمیشہ سہارا قادیانی مسئلے کی آڑ میں ملک گیر فسادات سے لیا جاتا ہے اور پھر بھی اس ڈائن کی پیاس نہیں بجھتی۔ڈاکٹر مبشر حسن، عبدالمجید سالک، م۔ش، اطہر عباس مرحوم اور ایاز امیر صاحب جیسوں کو تو معلوم ہے مگر شاہد مسعود، چوہدری شجاعت حسین، سراج الحق اور صابر شاکر کو کیسے بتائیں۔۔۔کیونکہ معاملہ ہی کیا ہوا گرزیاں کے لئے۔۔!

ایک شیعہ عالم کی حق بات نے زلزلہ برپا کر دیا ہے:

الجزیرہ عربی ٹی وی کے پروگرام ''اتجاہ معاکس'' کے اینکر پرسن ''ڈاکٹر فیصل قاسم'' نے کہا ہے کہ: عراق کے مشہور شیعہ عالم دین اور راہنما مقتدی الصدر کے معاون نے ایک مضمون لکھا ہے جس کا نام ہے '' ہم بے حیا قوم ہیں'' مضمون میں مندرجہ ذیل حقائق پر روشنی ڈالی ہے۔شام، عراق، فلسطین اور فارس کو فتح کرنے والا عمر بن الخطاب (سنی) تھے۔سند، ھند اور ماوراء النہر کو فتح کرنے والا محمد بن قاسم (سنی) تھے۔شمالی افریقہ کو فتح کرنے والا قتیبہ بن مسلم (سنی) تھے۔اندلس کو فتح کرنے والا طارق بن زیاد اور موسیٰ بن نصیر دونوں (سنی) تھے۔قسطنطنیہ کو فتح کرنے والا محمد الفاتح (سنی) تھے۔صقلیہ کو فتح کرنے والا اسد بن الفرات (سنی) تھے۔

اندلس کو مینارہ نور اور تہذیبوں کا مرکز بنانے والی خلافت بنو امیہ کے حکمران (سنی) تھے۔تاتاریوں کو عین جالوت میں شکست دینے والا سیف الدین قطز اور رکن الدین بیبرس دونوں (سنی) تھے۔صلیبیوں کو حطین میں شکست دینے والے صلاح الدین ایوبی (سنی) تھے۔مراکش میں ہسپانویوں کا غرور خاک میں ملانے والا عبدالکریم الخطابی (سنی) تھے۔اٹلی کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کرنے والے عمرالمختار (سنی) تھے۔چیچنیا میں روسی ریچھ کو زخمی کرنے اور گرزنی شہر کو فتح کرنے والے کمانڈر خطاب (سنی) تھے۔افغانستان میں نیٹو کا ناک زمین سے رگڑنے والے (سنی) تھے۔عراق سے امریکہ کو بھاگنے پر مجبور کرنے والے (سنی تھے) فلسطین میں یہود کی نیندیں حرام کرنے والے (سنی) ہیں۔ہم اپنے بچوں کو کیا بتائیں گے؟؟!! حسین رضی اللہ عنہ کو عراق بلا کر کربلاء میں بے یارومددگار چھوڑنے والے مختار ثقفی (شیعہ) تھے اور ان کو شہید کرنے والے بھی (شیعہ) تھے۔عباسی خلیفہ کے خلاف سازش کر کے تاتاریوں سے ملنے والے ابن علقمی (شیعہ)

تھے۔ہلاکوخان کا میک اپ کرنے والے نصیر الدین طوسی (شیعہ) تھے۔تاتاریوں کو بغداد میں خوش آمدید کہنے والے (شیعہ) تھے۔شام پر تاتاریوں کے حملوں میں مدد کرنے والے (شیعہ) تھے۔مسلمانوں کے خلاف فرنگیوں کے اتحادی بننے والے فاطمیین (شیعہ) تھے۔سلجوقی سلطان طغرل بیگ بساسیری سے عہد شکنی کرکے دشمنوں سے ملنے والے (شیعہ) تھے۔فلسطین پر صلیبیوں کے حملے میں ان کی مدد کرنے والا احمد بن عطاء(شیعہ) تھے۔

صلاح الدین ایوبی کوقتل کرنے کا منصوبہ بنانے والے کنز الدول (شیعہ) تھے۔شام میں ھلاکوں خان کا استقبال کرنے والا کمال الدین بن بدرالتفلیسی (شیعہ) تھے۔حاجیوں کوقتل کرکے حجراسود کو چرانے والا ابوطاھر قرمطی (شیعہ) تھے۔شام پر محمدعلی کے حملے میں مدد کرنے والے (شیعہ) تھے۔یمن میں اسلامی مراکز پر حملے کرنے والے حوثی (شیعہ) ہیں۔عراق پر امریکی حملے کوخوش آمدید کرکے ان کی مدد کرنے والے سیتانی اور حکیم (شیعہ) ہیں۔افغانستان پر نیٹو کے حملے کوخوش آئند کہہ کر ان کی مدد کرنے والے ایرانی حکمران (شیعہ) ہیں۔شام میں امریکہ کی مدد اور بشار سے مل کر لاکھوں مسلمانوں کوقتل کرنے والے اورمسلمانوں کی آزادی کا گلہ گھونٹنے کی کوشش کرنے والے عراقی حکمران، ایرانی حکمران اور لبنان کی حزب اللہ (شیعہ) ہیں۔

خلافت عثمانیہ کے خلاف بغاوت کرکے لاکھوں مسلمانوں کوقتل کرنے والا اسماعیل صفوی (شیعہ) تھے۔برما کے مسلمانوں کے قتل پر بت پرستوں کی حمایت کا اعلان کرنے والا احمدنجاد (شیعہ) ہے۔شام کے لوگوں پر بشاری کی بمباری کی حمایت کرنے والا اور اس کو سرخ لکیر قرار دینے والا خامنئی (شیعہ) ہے۔صحابہ کوگالیاں دینے والے اورخلفائے راشدین اوراورامہات المومنین کے بارے میں شرمناک باتیں لکھنے والے قلم (شیعہ) ہی ہیں۔سلطان ٹیپو کے خلاف انگریزوں سے ملنے والے میرجعفر اورمیرصادق (شیعہ) تھے۔اگر یہ سارے واقعات لکھے جائیں توکئی جلدوں کی کتابیں تیار ہوسکتی ہیں،ہم اپنی نسلوں کوکیا جواب دیں گے؟؟!! یہ سب خودایک شیعہ عالم دین کہہ رہا ہے۔

***

نوازشریف نے وہ کردکھایا جوکوئی نہ کرسکا!

تحریر شاہدخان

امریکہ نے پاکستان میں کم ازکم 35 ایسے مقامات کا تعین کیا ہے جہاں وہ سرجیکل سٹرائیکس کرنا چاہتا ہے۔یہ مقامات پاکستان کے چاروں صوبوں میں واقع ہیں جہاں امریکہ کے خیال میں دہشت گردوں کے محفوظ ٹھکانے ہیں۔کچھ دن پہلے امریکی دفاعی تجزیہ نگار جیمس سٹیورڈس نے امریکہ کوتجویز دی کہ پاکستان کے خلاف ان 4000 امریکن کمانڈوز کو حرکت دینے کا وقت قریب ہے جن کو خاص طور پر پاکستان کے نیوکلیر تنصیبات پر قبضے کے لیے تیار کیا گیا ہے۔موصوف نے یہ بھی فرمایا ہے کہ امریکہ پاکستان کوانڈیا، ایران اورافغانستان کے درمیان سینڈوچ بنا دے۔کچھ دن پہلے ڈونلڈ ٹرمپ نے کہا تھا کہ ''ہم پاکستان پر بتائے بغیر حملہ کرینگے اورضرور کرینگے''۔لیکن سوال یہ ہے کہ پاک فوج اور نیوکلیئر میزائلز کی موجودگی میں یہ سب کچھ کیونکر ممکن ہے؟ اور ایران امریکہ کا ساتھ کیوں دے گا؟ پاکستان کے خلاف ایک ممکنہ جنگ کے لیے پاکستان کی زمین کوکس حد تک ہموار کیا جاچکا ہے اور اس میں نوازشریف نے کیا کردار ادا کیا ہے آیئے اسکو سمجھنے کی کوشش کریں۔آج سے چند ماہ بعد پاکستان نے سودکی مد میں عالمی مالیاتی اداروں کو 3.11 ارب ڈالر کی ادائیگی کرنی ہے۔

4 سالوں میں پاکستان کا سالانہ تجارتی خسارہ 20 ارب ڈالر سے بڑھ 32 ارب ڈالر ہوچکا ہے۔تیل سے بجلی بنانے والی کمپنیوں کا 8 ارب ڈالر کا قرضہ چڑھ چکا ہے اور وہ اس رقم کا تقاضہ کررہی ہیں۔یہ تقریباً 51 ارب ڈالر بنتے ہیں۔جبکہ پاکستان کا کل بجٹ تقریباً 50 ارب ڈالر کے لگ بھگ ہے۔یعنی پاکستان اپنا سارا بجٹ صرف کرکے بھی محض تجارتی خسارہ، سوداور بجلی کے بقایاجات ادا نہیں کرسکتا۔لیکن اگر یہ ادا کردیتا ہے تو باقی ملک چلانے کے لیے ایک روپیہ نہیں بچے گا۔نتیجے میں ....لاکھوں سرکاری ملازمین کی تنخواہیں کہاں سے اداہونگی؟

پولیس، سرکاری ہسپتال وسکول، لاکھوں بوڑھوں کی پنشنز وغیرہ سب بند کرنی پڑینگی؟ خسارے میں جانے والے بڑے ادارے جیسے

ریلوے، سٹیل مل، پی آئی اے وغیرہ کا خسارہ کہاں سے ادا ہوگا؟ صرف میٹروز ہی کا سالانہ خسارہ 5 ارب روپے سے زائد ہے وہ کہاں سے ادا ہوگا؟ صوبوں کو اپنے اخراجات پورے کرنے کے لیے رقم کہاں سے دینگے؟ اور ان سب سے بڑھ کر پاکستان کے لیے سینکڑوں محاذوں پر برسرپیکار پاک فوج کی تنخواہیں کہاں سے ادا ہونگی؟ جنگی اخراجات کون پورے کرے گا؟؟ لیکن اگر ادا نہیں کرتے تو بھی پاکستان دیوالیہ قرار پائیگا اور مزید قرضے ملنا بند ہوجائینگے۔ آئی پی پیز بجلی کی پیدوار بند کردینگی یا اتنی کم کردینگی کہ لوگوں کی چیخیں نکل جائینگی۔ پاکستانی کی بچ جانے والی انڈسٹری بھی تقریباً بند ہوجائیگی۔ نتیجے میں وہی صورت حال ہوجائیگی جسکا اوپر ذکر کیا ہے۔

اس صورت حال کو بدتر کرنے کے لیے روپے کی قیمت اچانک 20 سے 30 فیصد گرائی جائیگی۔ اسکا مظاہرہ نواز شریف نے چند دن پہلے ڈالر کے مقابلے میں روپے کی قدر اچانک 3 روپے گرا کر کیا جس سے صرف ایک گھنٹے میں پاکستان پر بیرونی قرضہ ڈھائی ارب ڈالر (250 ارب روپے) بڑھ گیا تھا۔ کچھ دن پہلے حامد میر اور عبدالمالک نے نواز شریف کی پاکستان آمد سے پہلے ایک خفیہ میٹنگ کا احوال بیان کیا جس میں نواز شریف نے دعوٰی کیا تھا کہ " میں واپس جا کر لیگل پراسیس کو مختلف طریقوں سے فرسٹیٹ کرونگا۔ چند ماہ بعد پاکستانی کی معاشی حالت اتنی تباہ ہوجائیگی کہ لوگ مجھے یاد کرینگے کہ میرا دور تو بہت بہتر تھا۔ تب میں اس عوامی طاقت کو عدلیہ کے خلاف استعمال کرونگا‘‘۔۔۔یہ تو ہوگیا معاشی پہلو۔ یاد رکھیں اگر آپ کا معاشی دیوالیہ نکل جائے تو ایٹم بم بھی آپ کو نہیں بچا سکتا۔ نواز شریف نے 4 سالوں میں سائنٹفک طریقے سے پاکستان کا معاشی دیوالیہ نکال دیا ہے جس کے اثرات اچانک نظر آئینگے۔

نواز شریف نے دہشت گردوں کے خلاف پاک فوج کی جنگ کو ممکن حد تک ناکام بنایا ہے۔ جسکا ثبوت نیشنل ایکشن پلان پر عمل درآمد نہ کروانا ہے اس کے نتیجے میں پورے پاکستان میں دہشت گردوں کے سلیپر سیلز موجود ہیں اور ان کے سہولت کار محفوظ۔ جو پاکستان میں یک بیک کئی مقامات پر اچانک بہت بڑے دہشت گردانہ آپریشنز شروع کر سکتے ہیں۔ کراچی دہشت گردوں کے ماسٹر مائنڈ الطاف حسین سے نواز شریف کی خفیہ ملاقاتوں کی خبریں آپ میڈیا پر سن چکے ہونگے۔ ان چار سالوں میں صوبوں اور مرکز میں اختلافات کو ممکن حد تک بڑھایا گیا ہے خاص طور پر سندھ میں۔ جہاں سے آئے دن وفاق مخالف بیانات آتے رہتے ہیں۔

دہشت گرد جماعتوں پر اثر رسوخ رکھنے والے تمام سیاسی ملا مریم نواز کے جھنڈے تلے ایک ہو چکے ہیں۔ خیال رہے کہ مریم نواز ’’اندیکھے دشمنوں‘‘ (پاک فوج) کے خلاف اعلان جنگ کر چکی ہیں۔ ان علماء کے پیروکاروں سے آپ پاک فوج کے لیے کبھی کوئی کلمہ خیر نہیں سنیں گے۔ ان کی اکثریت پاکستان کے دفاع کو وطن پرستی قرار دیتے ہوئے ناجائز سمجھتی ہے۔ انکی ذہنی حالت یہ ہے کہ جب شاہد اللہ شاہد کا ویڈیو بیان آیا کہ ’’پاکستان کے خلاف اسرائیل کی امداد بھی قبول ہے‘‘۔۔۔تو یہ اسکو بھی دُرست قرار دینے لگے۔ پاکستان کی تاریخ میں پہلی بار کسی سیاسی جماعت کے کارکنوں نے پاک فوج کے سامنے کھڑے ہوکر ’’پاک فوج مردہ باذ‘‘ کے نعرے لگائے بلکل الطاف حسین کی طرح۔ خیال رہے کہ ایسے نعرے کبھی وزیرستان میں بھی نہیں لگے ہیں۔ نعرے لگانے والے کارکنوں کی مریم نواز کے سوشل میڈیا پیجز پر خوب تشہیر کی گئی اور انکو ’’شیر‘‘ کے القابات دیئے گئے۔ نواز شریف کی سوشل میڈیا ٹیم اور ملحدین کے گستاخانہ پیجز سے پاک فوج کے خلاف ایک جیسے نفرت انگیز مواد کی تشہیر جاری ہے اور حسب معمول کچھ مشہور لکھنے والی مولوی بھی ان کی تال کے ساتھ تال ملا رہے ہیں۔

پاکستان میں کسی اندرونی خانہ جنگی کے لیے حالات مکمل طور پر سازگار ہیں۔ معاشی دیوالیہ پن کے بعد جب اچانک لاکھوں لوگ بے روزگار ہوجائنگے، بجلی غائب ہوجائیگی، فوج اور پولیس کو تنخواہیں ملنا بند ہوجائینگی تو پاکستان بھر میں جگہ جگہ بغاوتیں اور شورشیں پھوٹ پڑینگی جن کو قابو کرنا ممکن نہیں رہے گا۔ وہ سارے دہشت ایکٹیو ہوجائنگے جو ایسے وقت کا انتظار کر رہے ہیں۔ ذرا تصور کریں کہ آرمی پبلک سکول جیسے حملے پورے پاکستان بیک وقت شروع کر دیئے جائیں۔ ان شورشوں پر قابو پانے کی اہلیت رکھنے والی اکلوتی قوت پاک فوج کی عوامی سپورٹ نہ ہونے کے برابر ہوگی بلکہ بہت سے گروہ فوج کو ہی مورد الزام ٹھہرا رہے ہونگے۔ نواز شریف نے عالمی رائے عامہ کو پاکستان کے خلاف کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ نواز شریف نے چار سال تک پاکستان کا وزیرخارجہ ہی مقرر نہیں کیا اور جب کیا تو خواجہ آصف جیسا پاک فوج سے بغض رکھنے

والا شخص۔ موصوف نے دو اہم بیانات جاری فرمائے ہیں۔ پہلا امریکہ جا کر فرمایا کہ ''حافظ سعید وغیرہ پاکستان سے باہر دہشت گردی کرتے ہیں۔'' دوسرا ''ہمیں اپنا گھر صاف کرنے کی ضرورت ہے'' والا تازہ بیان۔ مطلب پاکستان میں دہشت گردوں کی پناہ گاہیں ہیں۔ بالکل یہی موقف امریکہ اور انڈیا کا بھی ہے۔ کچھ عرصہ پہلے مریم نواز نے ڈان لیکس میں بھی یہی خبر چھپوائی تھی کہ پاک فوج دہشت گردوں کی سہولت کار ہے۔ وزیراعظم پاکستان شاہد خاقان عباسی نے بیان جاری کیا کہ '' کابل میں دہشت گردی کرنے والے پاکستان سے گئے تھے۔'' ایران، انڈیا اور افغانستان پاکستان میں سرجیکل سٹرائیکس کی دھمکی دے چکے ہیں۔ امریکہ نے انڈیا کو 22 جدید ترین ڈرون طیارے دیئے ہیں۔ جبکہ ایران کے پاس ایسے ہی ڈرون طیارے موجود ہیں۔

ایران نے کچھ دن پہلے افغانستان کے فرح صوبے میں امریکہ کے ساتھ ملکر افغان طالبان کے خلاف آپریشن کیا۔ مطلب کچھ معاملات میں امریکہ اور ایران ایک پیج پر ہیں۔ افغان فورسز دو سالوں میں دو بار پاکستان کی سرحدوں پر حملے کر چکی ہیں۔ کچھ دن پہلے اجیت ڈاول نے پیوٹن سے ایک اہم معاہدہ کیا ہے کہ اگر پاکستان میں حالات خراب ہوتے ہیں تو افغان طالبان کو کشمیر اور پاکستان کے معاملات سے دور رکھیں گے اور بدلے میں ان کو افغان حکومت کا حصہ بنانے کی راہ ہموار کی جائیگی۔ نواز شریف نے ایک بڑی امریکی لابنگ فرم ھائر کی جس کے بعد اچانک چند امریکی اخبارات نے اس خطرے کا اعلان شروع کر دیا ہے کہ پاکستان کی فوج پاکستان کی جمہوریت کو شکست دے سکتی ہے اور نواز شریف اور مریم نواز جمہوریت کی بقا کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ ۱۹۹۹ء میں جب مشرف کے ساتھ اختلافات بڑھ گئے تھے تو نواز شریف نے پاک فوج کے خلاف نیویارک ٹائمز میں مضمون چھپوایا تھا جسکا عنوان تھا ''ایٹم بم کے بٹن پر انگلی رکھے دہشت گردوں کی حامی فوج...''

یورپ ولندن میں آزاد بلوچستان کے پوسٹرز بھی اسی سفارتی مہم کا حصہ ہیں۔ پاکستان کے دارالخلافہ میں داعش کے پوسٹرز لگائے گئے ہیں جس سے دنیا کو پیغام ملا ہے کہ پاکستان کا کوئی کونہ دہشت گردوں کی دسترس سے محفوظ نہیں۔ یہ ہوگیا سفارتی محاذ....اب اگر کسی معاشی دیوالیہ پن کے بعد پاکستان بھر میں شورش اور دہشت گردی کی شکل میں خانہ جنگی شروع ہوتی ہے تو اس سے نمٹنے کے لیے پاک فوج پاکستان بھر میں مصروف ہوجائیگی۔ ان حالات میں امریکہ پاکستان میں ''دہشت گردوں کے محفوظ ٹھکانوں'' پر اچانک حملے کرسکتا ہے جیسا کہ ڈونلڈ ٹرمپ نے اعلان کیا ہے۔ جس میں ایران اور انڈیا بھی اپنے ڈرونز استعمال کرینگے۔ افغان فورسز ایک بار پھر پاک افغان سرحد پر جگہ جگہ حملے کرینگی۔ ایل او سی پر بھر پور جھڑپ شروع کردی جائیگی۔ پاک فوج کہاں کہاں جنگ کرے گی اور کس کس سے نمٹے گی؟؟ اور آخر بغیر تنخواہ کے یہ فوج کتنے دن لڑے گی؟ خدانخواستہ پاک فوج ٹوٹتی ہے یا کمزور ہوتی ہے تو اس کے بعد امریکنز پاکستان کے نیوکلیئر اثاثوں کو ''دہشت گردوں کے ہاتھوں میں جانے سے روکنے کے لیے'' خصوصی طور پر تیار کیے گئے اپنے کمانڈوز کو پاکستان میں اُتار سکتے ہیں۔ یہ ہے ممکنہ بدترین حالات کا نقشہ۔ یہ آپ کو جھنجوڑنے کے لیے لکھا ہے۔ اللہ سے امید ہے کہ انکی تدبیر کو ناکام کرے گا لیکن ہمارا جاگتے رہنا ضروری ہے۔ آپ نوٹ کیجیئے نواز شریف نے یہ نہیں کہا کہ ''ہم عدالتوں کا سامنا کرینگے'' بلکہ وہ عدالتوں کا مقابلہ کرنے کی بات کر رہے ہیں۔ وہ وکیل بھی نہیں کر رہا ظاہر ہے وہ قانونی جنگ لڑنے نہیں آیا۔ نواز شریف کو یہ یقین دلایا گیا ہے کہ اگر کسی گرفتاری کے نتیجے میں وہ جیل جاتا ہے تو اس کے لیے جیل گھر سے زیادہ آرام دہ مہیا کی جائیگی کیونکہ حکومت اپنی ہے۔ لیکن اس کے جیل جانے کے بعد حالات اس قدر خراب کروانے کی تیاری ہے کہ کنٹرول نہ ہوسکیں۔ ایک مخصوص بکا ہوا میڈیا پاکستانیوں کو یہ پیغام دے گا کہ نواز شریف کی وجہ سے سب ٹھیک تھا اس کے جاتے ہی ہر چیز بگڑ گئی۔ تب جیل کے سامنے اور ملک بھر میں نواز شریف کے حق میں اور عدلیہ و پاک فوج کے خلاف سیاسی ریلیوں کا انعقاد کیا جائے گا۔ خرابی کی اصل وجوہات سے بے خبر کھوتا خورز و روشور سے ان ریلیوں میں شرکت کرینگے۔ نواز شریف سے وعدہ کیا گیا ہے کہ اگر ''پاک فوج'' گرتی ہے تو پاکستان کے نیوکلئر ہتھیاروں کو ''محفوظ'' کرنے کے بعد پاکستان مکمل طور پر شریف اور زرداری خاندان کو ہی سونپ دیا جائیگا اور نواز شریف کے دنیا بھر میں موجود اثاثے خود بخود محفوظ ہو جائیں گے۔

اس سارے معاملے میں صرف دو قوتیں پاکستان کا ساتھ دینگی۔ چین اور افغان طالبان۔ مجھے پاکستان کی زمین میں ارتعاش محسوس ہو رہا ہے۔ شائد آنے والے دنوں میں بڑا کچھ ہونے جا رہا ہے۔

مصنف کتاب ہذا

رانا عبدالرزاق خان

بی اے پنجاب یونیورسٹی لاہور پاکستان

ادیب و شاعر، کالم نگار، اینکر، صحافی

ایڈیٹر۔ماہنامہ قندیل ادب انٹرنیشنل لندن

حال مقیم: وانڈز ورتھ لندن برطانیہ

e-mail : ranarazzaq52@gmail.com, (M) 00-44-7886-304637

قندیل حق

یہ کتاب معلومات کا خزینہ ہے جس میں مختلف موضوعات پر انتہائی اہم اور معلوماتی مضامین یکجا کئے گئے ہیں۔ سیرت النبیؐ اسلامیات، قرآنیات اور جماعت احمدیہ سے متعلق مختلف علمی، تاریخی و تربیتی مضامین ایک گلدستہ کی شکل میں پیش ہیں۔ اسی طرح طنز و مزاح اور ادب سے تعلق رکھنے والے احباب کیلئے کئی نادر مضامین شامل ہیں جو پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔

QINDEEL-E-HAQ

BY
RANA ABDUL RAZZAQ KHAN, LONDON

قندیل حق

رانا عبدالرزاق خان

قندیل حق

رانا عبدالرزاق خان

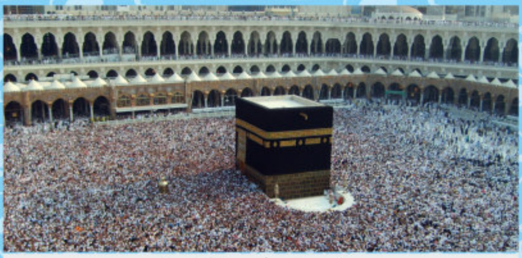

خانہ کعبہ و مسجد الحرام (مکہ مکرمہ)

مسجد اقصیٰ قادیان

مسجد نبویؐ (مدینہ منورہ)

مسجد فضل لندن

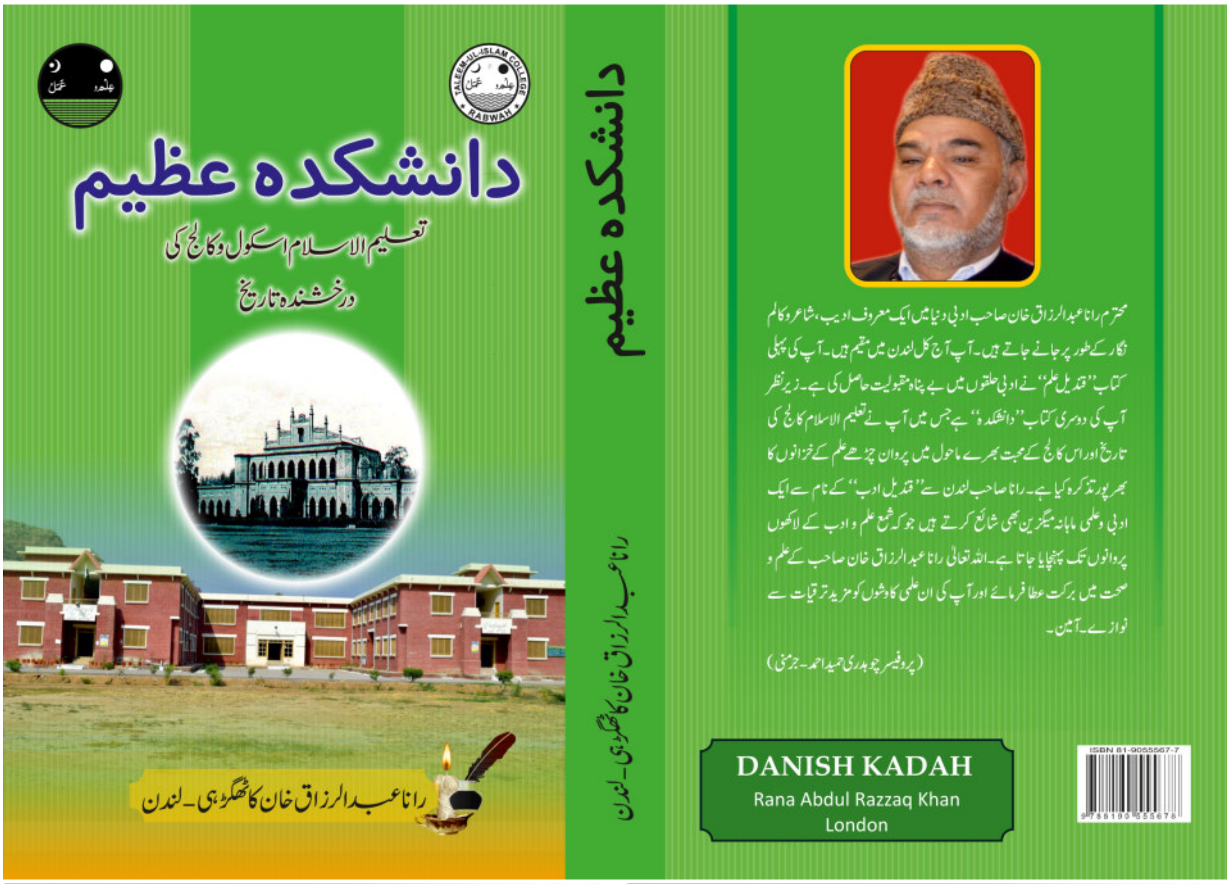
دانشکدہ عظیم
تعلیم الاسلام اسکول و کالج کی
درخشندہ تاریخ
رانا عبدالرزاق خان کاٹھگڑہی۔لندن
دانشکدہ عظیم
رانا عبدالرزاق خان کاٹھگڑہی۔لندن
محترم رانا عبدالرزاق خان صاحب ادبی دنیا میں ایک معروف ادیب، شاعر و کالم نگار کے طور پر جانے جاتے ہیں۔ آپ آج کل لندن میں مقیم ہیں۔ آپ کی پہلی کتاب ''قندیل علم'' نے ادبی حلقوں میں بے پناہ مقبولیت حاصل کی ہے۔ زیر نظر آپ کی دوسری کتاب ''دانشکدہ'' ہے جس میں آپ نے تعلیم الاسلام کالج کی تاریخ اور اس کالج کے محبت بھرے ماحول میں پروان چڑھے علم کے خزانوں کا بھرپور تذکرہ کیا ہے۔ رانا صاحب لندن سے ''قندیل ادب'' کے نام سے ایک ادبی و علمی ماہانہ میگزین بھی شائع کرتے ہیں جو کہ شمع علم و ادب کے لاکھوں پروانوں تک پہنچایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ رانا عبدالرزاق خان صاحب کے علم و صحت میں برکت عطا فرمائے اور آپ کی ان علمی کاوشوں کو مزید ترقیات سے نوازے۔ آمین۔
(پروفیسر چوہدری حمید احمد۔جرمنی)
DANISH KADAH
Rana Abdul Razzaq Khan
London
ISBN 81-9055567-7

معمار تعلیم الاسلام کالج
حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالثؒ
حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ
حضرت مولانا شیر علی صاحبؓ
حضرت نواب محمد علی خان صاحبؓ
حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ
حضرت مولانا عبدالکریم صاحب سیالکوٹیؓ
محترم قاضی محمد اسلم صاحب
محترم صوفی بشارت الرحمٰن صاحب
محترم چوہدری محمد علی مضطر عارفی صاحب
پروفیسر شیخ محبوب عالم خالد صاحب
پروفیسر حبیب اللہ خان صاحب
پروفیسر میاں عطاء الرحمن صاحب

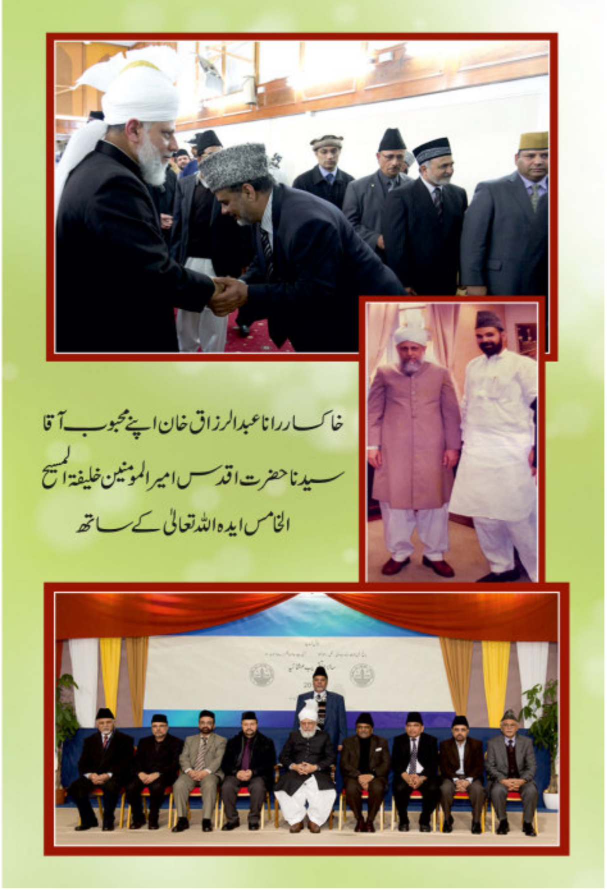
خاکسار رانا عبدالرزاق خان اپنے محبوب آقا
سیدنا حضرت اقدس امیر المومنین خلیفۃ المسیح
الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ